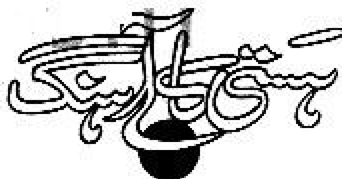
ہستی کا آہنگ

گل رعنا

ثمرہ بخاری

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ثمرہ بخاری



مکمل ناول

"ابا! میری دوست کی برتھ ڈے ہے' مجھے بھی انوائٹ کیا ہے اس نے' اگر آپ اجازت دیں تو چلی جاؤں؟" رات کے کھانے پر جب یہ چھوٹا سا خاندان اکٹھا بیٹھا تھا۔ اس نے پوچھا تھا۔

ابا جواب دینے کے بجائے امی کی طرف دیکھنے لگے۔

"میں جانتی ہوں رعنا کی اس دوست کو۔ اچھی لڑکی ہے' ایک' دو بار اپنی والدہ کے ساتھ ہمارے گھر آچکی ہے اور ان کا گھر بھی ہمارے گھر سے زیادہ دور نہیں ہے۔" امی نے تفصیلی جواب دیا۔

"بیٹا! جب آپ کی امی کو کوئی اعتراض نہیں تو مجھے کیسے ہو سکتا ہے۔"

وہ مسکرا کر بولے اور پھر کھانے کی جانب متوجہ ہو گئے' آج امی نے کوفتے بنائے تھے' یعنی سب ہی کی پسندیدہ ڈش' سب ہی تعریفیں کرتے ہوئے کھا رہے تھے۔

"لیکن ابا! ایک مسئلہ اور بھی تو ہے نا۔"

"یقیناً گفٹ کے لیے پیسے چاہییں ہوں گے۔"

"جی ابا!" وہ کھسیا کر مسکراتے ہوئے بولی۔

"تو بیٹا! یہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔ شکر ہے تمہاری

فرینڈ مہینے کی شروع تاریخ میں پیدا ہوئی ہے' کتنے پیسے چاہئیں تمہیں؟"

"ابا! میں اور میری فرینڈ ثانیہ مل کر گفٹ دیں گے' اس لیے دو سو دے دیجیے۔"

کھانے کے بعد اس نے برتن سمیٹے اور کچن میں آ کر دھونے لگی' ساتھ ہی چائے بھی چولھے پر رکھ دی کہ امی اور ابا رات کو کھانے کے بعد چائے ضرور لیتے تھے۔

رونیہ اور چھوٹا ظفر صحن میں جا کر کھیلنے لگے۔ موسم بدل رہا تھا۔ اب پہلے کی طرح گرمی نہیں رہی تھی اور شامیں تو بہت خوشگوار ہو گئی تھیں۔ امی' ابا بھی چھوٹے سے آنگن میں کرسیاں ڈالے بیٹھے تھے۔ وہ دونوں کے لیے چائے لے کر آئی' ٹرے سینٹر ٹیبل پر رکھی اور خود بھی وہیں بیٹھ گئی۔

"رعنا بیٹا! میں اور تمہاری امی ابھی بات کر رہے تھے موسم بدل رہا ہے' اگر ایک بارش ہوئی تو سردی اچانک آ جائے گی۔ کسی روز بازار چلتے ہیں۔ کچھ سردیوں کے کپڑوں کی شاپنگ ہی کر لیں۔"

"آپ اور امی چلے جائیں نا! مجھے بازار کے رش سے بڑی الجھن ہوتی ہے۔"

"تم ساتھ چلتیں' ورنہ تمہیں کسی کپڑے کا رنگ پسند نہیں آئے گا' کسی کے پرنٹ پر اعتراض ہوگا۔" امی کے کہنے پر وہ سوچ میں پڑ گئی کہ اسے واقعی بازار جاتے ہوئے الجھن ہوتی تھی۔ مڈل کلاس طبقے کی شاپنگ کے مخصوص بازار' جہاں شدید رش ہوتا تھا۔ آوارہ مزاج لڑکے جان بوجھ کر لڑکیوں سے ٹکراتے تھے۔

اس کی سترہ سالہ زندگی ایک مخصوص خوش باش پیار بھرے ماحول میں گزری تھی' امی' ابا اور دو چھوٹے بہن' بھائی۔

امی کا میکہ دوسرے شہر میں تھا' جہاں سے کبھی کبھار خالہ اپنے بیٹے ایاز کے ساتھ دو' چار روز کے لیے آ جایا کرتی تھیں اور ابا کے سوتیلے بہن' بھائی تو بہت سے تھے' لیکن زندگی کے پہلے بارہ برس اس نے کسی کی صورت نہیں دیکھی' پھر اچانک ایک روز جب وہ اسکول سے آئی تو ان کے سادہ سے ڈرائنگ روم میں بڑی ہی آن بان والی شخصیت موجود تھی اور ابا ان کی آمد پر کتنے خوش تھے' اس کا اندازہ ابا کے چہرے اور لہجے سے پھوٹتی بے پناہ خوشی سے لگایا جا سکتا تھا۔ اسے بتایا گیا کہ یہ تمہارے تایا جان ہوتے ہیں' اونچے لمبے قیمتی لباس پہنے وہ کہیں سے ابا کے بھائی نہیں لگ رہے تھے۔

"اوہ! تو ہمارے گھر کے باہر جو گاڑی کھڑی ہے وہ یقیناً تایا ابا کی ہوگی۔" وہ ان سے جھجک تو رہی تھی' لیکن انہیں دیکھنا اسے اچھا بھی لگ رہا تھا۔

امی نے بہت پُر تکلف کھانا بنایا تھا' جس کی انہوں نے بہت تعریف کی اور پھر وہ چلے گئے۔

اور پھر پورے تین سال بعد جب وہ میٹرک کا امتحان دے کر فارغ ہوئی تھی' تب ان کی آمد ہوئی پہلے کی طرح صرف دو گھنٹے کے لیے ہی آئے اور چلے گئے۔

"تایا ابا کو آپ سے پیار نہیں ہے ابا! اسی لیے تو اتنی دیر کے بعد آتے ہیں۔"

"وہ بہت مصروف آدمی ہیں بیٹا! اور پھر وہ میری طرح رشتوں کو ترسے ہوئے تھوڑا ہی ہیں۔ ان کی تین بہنیں بھی ہیں اور ان کے ساتھ ان کا بہت ملنا ہے۔"

"اوہ ابا! آپ کی بہنیں بھی ہیں' آپ نے کبھی بتایا کیوں نہیں؟" وہ پُر جوش ہوئی تھی۔

"ہاں بیٹا! مجھے تمہیں یہ سب بتانا چاہیے تھا۔ اصل میں تمہارے یہ تایا ابا اور ان کی تین بہنیں میرے سوتیلے بہن بھائی ہیں اور انہیں مجھ سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ تمہارے تایا کا نام علیم الدین ہے اور یہ کامیاب بزنس مین ہیں' اسی طرح تینوں بہنیں بھی کھاتے پیتے گھرانوں میں بیاہی ہوئی ہیں۔ اصل میں میری دوسری والدہ بہت جائیداد والی تھیں تو ان کی جائیداد ان کی اولاد میں تقسیم ہوئی اور کچھ علیم بھائی خود بھی سمجھ دار آدمی ہیں' کاروبار شروع کیا اور اب بے حد کامیابی سے اسے چلا رہے ہیں۔"

"تایا ابا کے بچے بھی ہوں گے؟"

"ہاں ایک بیٹا ہے ان کا۔"

"صرف ایک!"

ابا اس کے انداز پر ہنس پڑے' پھر بولے "بہت سال پہلے بھابھی کی ڈیتھ ہو گئی تھی بھائی جان نے دوسری شادی چند سال پہلے ہی کی ہے اور دوسری بیوی سے ان کے کوئی اولاد نہیں ہے۔ صرف بڑی بھابھی سے ایک بیٹا ہے۔ عدیل نام ہے اس کا۔"

"ابا! کبھی تایا ابا نے آپ کو اپنے ہاں انوائٹ نہیں کیا؟" کچھ سوچ کر کل رعنا نے نیا سوال کیا تھا۔

اس سوال پر ابا کے مسکراتے ہونٹ ساکت ہو گئے۔ انہوں نے نفی میں سر ہلایا' پھر کچھ دیر بعد بولے۔ "وہ بڑے آدمی ہیں بیٹا اور کتنے سال تو انہیں ہمیں یاد ہی نہیں آیا۔ اب جو آکر مل لیے ہیں تو یہی ان کی مہربانی ہے۔"

"لوگوں کے اتنے رشتہ دار ہوتے ہیں' گرمیوں کی چھٹیوں میں کوئی ماموں کے ہاں جاتا ہے' کسی کے چچا اور پھپھو چھٹیوں میں آکر رہتے ہیں۔ ہماری تو بس ایک خالہ ہیں۔ ان کے ہاں بھی ہم اس لیے نہیں جاتے کہ امی کہتی ہیں' ان کے مالی حالات اچھے نہیں ہیں' ہم جائیں گے تو ان پر بوجھ پڑے گا۔ وہ بھی بس کبھی کبھار صرف ایاز بھائی کو لے کر آجاتی ہیں' حالانکہ ان کی دو بیٹیاں بھی ہیں۔"

"رعنا! تم کیا باتیں لے کر بیٹھ گئی ہو' کچن میں برتن دھونے والے رکھے ہیں' جاؤ دھو کر رکھو۔"

امی کے کہنے پر اسے اٹھنا پڑا' لیکن وہ جانتی تھی اس کے کچن میں آجانے کے بعد بھی امی' ابا کے درمیان اسی موضوع پر باتیں ہوتی رہیں' جو موضوع وہ چھیڑ کر آئی تھی۔



اور پھر دو سال بعد جب وہ کالج کی اسٹوڈنٹ تھی اور پہلے سے کچھ سمجھ دار بھی ہو چکی تھی۔ کالج سے واپسی پر گھر میں داخل ہوتے ہی چھوٹی بہن روشیہ نے بتایا تھا۔

"تایا جان آئے ہیں اور آج تو تائی جان بھی ان کے ساتھ ہیں۔"

"ارے واقعی!" وہ جلدی سے اپنے اور روشیہ کے مشترکہ کمرے میں گئی۔ بیگ اور چادر اتار کر رکھی اور الماری کھول کر کوئی اچھے سے کپڑے دیکھنے لگی۔

جب وہ لباس تبدیل کرکے فریش چہرے کے ساتھ بڑے کمرے میں آئی تو وہ دونوں سامنے ہی بیٹھے تھے۔ تایا جان کی بارعب پرسنالٹی کے باعث وہ تو سلام کے علاوہ اور کوئی بات کر ہی نہ پائی تھی اور آج ان کے برابر میں تھوڑے کم قد والی سانولی رنگت اور نرم نقوش کی مالک جو خاتون بیٹھی تھیں' یقیناً" یہی تائی جان تھیں۔ تایا ابا سے تو ان کا کوئی جوڑ ہی نہیں تھا' لیکن اگر تایا ابا سے الگ ان کی شخصیت کو دیکھا جائے تو وہ نرم مسکراہٹ والی اور اچھے دل کی مالک ایسی خاتون معلوم ہوتی تھیں' جن سے بات کرنا بالکل بھی مشکل نہیں تھا۔ وہ اٹھ کر بڑی محبت سے ملیں۔

تایا ابا نے اس کے سلام کے جواب میں اپنا بھاری بھرکم ہاتھ اس کے سر پر رکھا اور نہ کوئی بات نہیں کی۔

ابا ابھی گھر نہیں آئے تھے' تایا کی ساری توجہ ٹی وی کی جانب تھی' جبکہ تائی اماں دھیمی آواز میں اس سے باتیں کرنے لگی تھیں۔

"بھابھی کچن میں اکیلی لگی ہوئی ہیں' جاکر ہاتھ بٹاؤ۔" تایا ابا نے بڑی سنجیدگی سے تائی اماں کو حکم دیا تھا۔

"نہیں نہیں' آپ بیٹھیے تائی اماں! میں جاتی ہوں۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ کچن میں آئی تو پتا چلا کہ کرنے کو تو کوئی کام ہے ہی نہیں۔ وہ لوگ اتنی ساری کھانے پینے کی چیزیں بھی تو لائے تھے' امی تو صرف برتن سیٹ کرنے لگی تھیں' ابا کو فون کر دیا تھا وہ بھی بس آنے ہی والے تھے۔

"اتنا کچھ اٹھا لائے ہیں بھائی اور بھابھی جان! یہ پھل فروٹ ایک طرف' وہ ہم سب کے لیے کپڑے بھی لے کر آئے ہیں۔"

"تائی امی تو بہت اچھی ہیں امی! بے حد نرم خو مہربان سی۔"

"ہاں واقعی میرا نہیں خیال تھا بھائی صاحب جیسے بڑے کی بیگم ایسی سادہ سی ہوں گی' صبح جب فون پہ تمہارے تایا ابا نے بتایا کہ بیگم کے ساتھ آرہے ہیں تو میں تو گھبرا ہی گئی تھی۔"

ابھی ماں بیٹی میں باتیں ہو رہی تھیں کہ شاہدہ بیگم (تائی

جان) بھی وہاں چلی آئیں۔
"آپ چل کر بیٹھیں بھابھی! ادھر گرمی میں کیوں آئیں؟"
"نہیں گرمی کیسی اور عورت کی تو آدھی سے زیادہ عمر کچن میں ہی گزرتی ہے۔"
"آپ کے گھر تو بہت ملازم ہوں گے تائی جان۔"
"ہاں لیکن کچن میں خود ہی دیکھتی ہوں، ہیلپ کے لیے ایک ملازمہ میرے ساتھ ہوتی ہے کہ اب طبیعت کچھ اچھی نہیں رہتی۔ گھر میں آنا جانا تو بہت لگا رہتا ہے۔ میرے لیے اکیلے سب سنبھالنا مشکل ہوتا ہے۔"
"دونوں پھپھو بھی تو اسی شہر میں ہیں، کتنے بچے ہیں ان کے؟" اس نے اشتیاق سے پوچھا۔
"تمہاری بڑی پھپھو کی دو بیٹیاں ہیں اور چھوٹی پھپھو کے دو بیٹے اور ایک بیٹی ہے۔"
"آتے رہتے ہوں گے آپ کی طرف؟" اس کا اشتیاق بول رہا تھا۔
"ہاں ان کے بچوں کی عدیل کے ساتھ بہت دوستی ہے۔ آتے رہتے ہیں۔" انہوں نے سرسری سے انداز میں کہا، پھر امی سے پوچھنے لگیں۔ "فون پر بات ہوئی بھائی سے، کب آئیں گے؟ اور آپ کے چھوٹے بچے کدھر ہیں، نظر نہیں آرہے؟"
یہ تو اسے کھانے کی میز پر پتا چلا کہ تایا ابا دو روز کے لیے آئے ہیں وہ تو اپنے کام میں مصروف رہیں گے، لیکن تائی جان ان کے ہاں ٹھہریں گی۔
شاہدہ بیگم عمر میں اس کی امی آصفہ کے برابر تھیں۔ لیکن امی کی طرح ان کے چہرے پر اعتماد اور رونق نہیں تھی، خصوصاً تایا ابا کے سامنے تو وہ کسی شاگرد کی طرح مؤدب اور سہمی ہوئی دکھائی دیتی تھیں۔ یقیناً تایا ابا کی بارعب شخصیت ان پر بہت زیادہ حاوی ہو چکی تھی۔ کھانا کھا کر تایا ابا تو کسی ضروری کام کا کہہ کر چلے گئے۔ وہ گئے تو تائی امی بھی ریلیکس ہو کر باتیں کرنے لگیں، جو گفٹ وہ ان کے لیے لائی تھیں وہ سب کھول لیے۔ "تمہارے تایا نے بتایا تھا، میری بھتیجیاں بہت پیاری ہیں۔"
"اچھا یہاں آکر تو ایسے جھجکتے ہیں...."
"اوں ہوں رعنا!" امی نے ٹوک دیا۔
"ہاں یہ تو ان کی عادت ہے، لیکن زندگی میں بھائی کی کمی وہ بھی محسوس کرتے ہیں۔ بہنیں تو ہیں، لیکن ان کا مزاج کچھ اور طرح کا ہے۔ علیم ان کے ہاں بہت کم جاتے ہیں اور ان سے زیادہ بے تکلف بھی نہیں ہیں۔"
"اور عدیل کیسا ہے، کیا وہ بھی اپنے والد جیسا مزاج رکھتا ہے؟" آمنہ بیگم پوچھنے لگیں۔
"نہیں بھابھی! عدیل تو ان سے بہت مختلف ہے، بلکہ انہیں افسوس ہے کہ وہ ان پر کیوں نہیں گیا، لیکن بات یہ ہے اکلوتا بیٹا ہے لاڈلا بھی ہے نا صرف ان کا بلکہ دونوں پھوپھیاں بھی اسے بہت اہمیت دیتی ہیں۔"
"چلو وقت کے ساتھ ساتھ سنجیدہ ہو جائے گا۔ لڑکے تو ایسے ہی ہوتے ہیں۔" آصفہ بیگم کے کہنے پر انہوں نے کچھ سوچتے ہوئے دھیرے سے سر ہلا دیا، شاید انہیں دیورانی کی بات سے اتفاق نہیں تھا۔



چھوٹی چھوٹی خوشیاں مل کر کتنی بڑی دولت بن جاتی ہیں۔ وہ تینوں بہن بھائی اپنے اپنے تعلیمی اداروں سے تین بجے تک واپس آجاتے تھے اور ساڑھے تین بجے ابا کا فون آتا تھا۔ یہ معلوم کرنے کے لیے بچے خیریت سے گھر تو پہنچ گئے ہیں نا۔ ہر چھٹی کے روز ان کی پسند کے مطابق کھانا بننا، ان کے لیے معلوماتی کتب کی فراہمی، اپنے بچپن کے قصے، شوخی و شرارتیں وہ بھی کچھ تو شیئر کرتے تھے ان کے ساتھ۔ ایک ابا کے وجود کی بدولت جیسے دنیا کی ساری خوشیاں اس کی مٹھی میں تھیں۔



غم کی آندھی اچانک ہی اٹھی اور اپنے ساتھ ساری خوشیاں اڑا لے گئی۔ روڈ ایکسیڈنٹ میں ابا زندگی ہار گئے تھے۔ وہ تو ایک سکتے کے عالم میں تھی، کون آرہا تھا، کون جا رہا تھا، کچھ احساس ہی نہیں تھا، لیکن جب تایا ابا نے اسے سینے سے لگایا تو جیسے سکتہ ٹوٹ گیا۔
وہ چیخ چیخ کر رونے لگی تھی۔
"صدمہ تو بہت بڑا ہے بیٹا! تم نے بڑا نقصان اٹھایا ہے، لیکن خود کو بے سہارا مت سمجھنا۔ میں تمہارے ابا کا بڑا بھائی ہوں۔ تم خون ہو میرا، بچے ہو میرے۔" تایا ابا کی آواز بھاری ہو رہی تھی۔
پھر آنے والے دنوں میں کتنے ہی فیصلے ہوتے چلے گئے۔ گھر کرائے کا تھا، انہیں چھوڑنا تھا کہ اب آمدنی کا وہ ذریعہ نہیں تھا، انہیں ابا کی پنشن ہی ملنا تھی یا کچھ فنڈ تھے

لیکن سرکاری کام اتنی جلدی کہاں ہوا کرتے ہیں۔

تایا ابا انہیں اپنے شہر اپنے گھر لے کر جا رہے تھے۔ اسی شہر میں خالہ بھی رہتی تھیں لیکن ان کا گھر چھوٹا تھا' مالی حالات بھی اتنے اچھے نہیں تھے کہ وہ مستقل بہن اور اس کے زیرِ تعلیم بچوں کا بوجھ اٹھا سکیں۔

حیران آنکھوں' سہمے چہروں کے ساتھ وہ اپنا سب کچھ چھوڑ کر ایک نئے شہر بلکہ ایک نئی دنیا میں جا رہے تھے۔

تایا ابا کا گھر بہت اچھا تھا اور گھر کے پچھلے حصے میں بنے جو دو کمرے انہیں دیے گئے وہ بھی بہت اچھے ہوادار اور روشن تھے۔ کمروں کے آگے برآمدہ اور سائیڈ پر چھوٹا سا اسٹور اور ایک عدد کچن جو تایا ابا نے ان کے لیے بنوایا تھا۔

"آصفہ بیٹی! (وہ بھاوج کو بیٹی کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔) میں تمہیں اپنے ساتھ بھی رکھ سکتا تھا' لیکن میں نے سوچا شاید وہاں بچے اتنا ریلیکس فیل نہ کریں۔ یہ پورشن تھوڑا الگ ہے تم لوگ اپنی مرضی سے رہ سکتے ہو یہاں۔ میں نے کچن بھی بنوا دیا ہے' لیکن تم لوگ کھانا ہمارے ساتھ ہی کھایا کرو گے' یہاں صرف چائے وغیرہ کا سامان رکھ لو کہ سردیوں میں ہمارے کچن تک آنا تمہارے لیے مشکل ہو گا۔ ویسے میں سوچ رہا ہوں لاؤنج میں ایک دروازہ ادھر سے کھلوا دوں تاکہ تمہیں لمبا چکر نہ کاٹنا پڑے۔"

"تایا ابا بھی بالکل ابا کی طرح چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال رکھتے ہیں۔" وہ صرف یہی سوچے جا رہی تھی۔

"میں نے دونوں بہنوں کو آپ سب کی آمد کے بارے میں بتا دیا ہے۔ آئیں گی چند روز میں ملنے کے لیے۔" تایا ابا کو کسی کام سے جانا تھا انہیں بتا کر وہ تو رات کو آنے کا کہہ کر چلے گئے' تائی جان وہیں بیٹھ گئیں اور دھیرے سے بولیں۔

"آصفہ! تم شاید اپنی نندوں سے ملی نہیں ہو گی۔ میں تمہیں بتا دوں' وہ ذرا دوسرے مزاج کی ہیں' میں سگی بھابھی ہو کر بھی ان کے لیے عزت کی مستحق نہیں ہوں تو تم تو پھر ... ان کی کسی بات کو دل سے نہ لگانا۔" "ہاں عدیل انہیں بہت چاہتا ہے' اس کے سامنے ان لوگوں کے لیے ناپسندیدگی کا اظہار نہ کرنا۔"

"عدیل کہاں ہے؟ ہم نے دیکھا نہیں اسے؟"

"اس کی اپنی مصروفیات ہیں اور گھر میں اس کے لیے کوئی دلچسپی بھی تو نہیں ہے۔ دس' پندرہ روز کے لیے کوئٹہ گیا ہوا ہے کسی دوست کے ساتھ۔" شاہدہ بیگم مسکرا دیں۔

ایک خدشہ جو یہاں آتے ہوئے تھا' پتا نہیں نئی جگہ ان کے ساتھ کیسا سلوک کیا جائے گا۔ اب بالکل مفقود تھا۔

☼ ☼ ☼

خالہ آسیہ بھی اسی شہر میں تھیں۔ وہ ان سے ملنے کے لیے آئیں تو رعنا' ظفر اور دونیہ کو اپنے ساتھ گھر لے گئیں۔ ظفر کی عمر کا کوئی بچہ ان کے گھر میں نہیں تھا اور پھر خالو جان کا مزاج بھی خاصا خشک تھا' انہیں شور بالکل پسند نہیں تھا اور اب تو ایسے مہمان بچے ان کے ہاں آئے تھے جو بیوی کے رشتہ دار بلکہ غریب' یتیم رشتہ دار تھے تو آنکھیں ماتھے پر سجالی تھیں' ہاں خالہ کے بچے بہت اچھے تھے' انیلا اور روبی باجی انہیں لے کر محلے میں اپنی دوستوں سے ملوانے بھی لے گئیں اور ایاز بھائی بازار سے کبھی آئس کریم تو کبھی چکن رول لا کر ان کی خاطر تواضع کرتے رہے۔

☼ ☼ ☼

خالہ کے ہاں تین روز گزار کر جب وہ واپس آئے تو عدیل گھر آ چکا تھا' یہ شام کا وقت تھا اور وہ لاؤنج میں رکھی ڈائننگ ٹیبل پر اکیلا بیٹھا چائے پی رہا تھا۔

"مرادو! نامرادو! آج چائے میں چینی کیا تیرا اولدار آ کر ڈالے گا۔" اس کی آواز پر لبیک کہتی مرادو کچن سے شوگر پاٹ لیے دانتوں کی نمائش کرتی حاضر ہوئی' اب تک انہوں نے مرادو کو کام چور' نکمی' سڑے مزاج کی ملازمہ کے روپ میں پایا تھا' لیکن آج تو کھری سانولی نوجوان مرادو کی بتیسی باہر نکلی ہوئی تھی۔

"وہ جی ہانڈی بھی تو ساتھ ساتھ بھون رہی تھی۔ مجھے شک ہے چینی میں نے ادھر پا (ڈال) دی ہے۔"

"شاباشے' آئندہ اگر چینی سالن میں پا دو تو پھر پتی اور دودھ بھی ادھر ہی پا دیا کرو' تاکہ دو' دو کاموں کا سیاپا ہی خلاص ہو جائے۔"

پھر آصفہ بیگم کی طرف متوجہ ہوا۔ "چچی! یہ یقیناً آپ کے نورِ نظر لختِ جگر ہیں۔"

ظفر اور دونیہ سے ہاتھ ملایا اس کی جانب دیکھا۔ پتا نہیں اس کی براؤن آنکھیں ایسے ہی جگمگاتی تھیں یا پھر یہ جگمگاہٹ اسے دیکھ کر ابھری تھی' ہاتھ اس کی جانب بڑھایا وہ جھجکی تو مسکرا کر ہاتھ پیچھے کر لیا' مگر وہ مسکراہٹ' رعنا

کھسیا گئی۔ اور اسے لگا عدیل کی موجودگی کچھ آسان ثابت نہیں ہوگی۔

اسی دوران تائی جان بھی ٹیبل پر آچکی تھیں۔

"والدہ! آپ نے مجھے ان سب کی آمد کے بارے میں کم از کم اطلاع تو کر دینا تھی۔ میں سب کے لیے گفٹ لے کر آتا۔"

"تمہارا چکر تو لگتا ہی رہتا ہے' اب کے جاؤ گے تو لے آنا۔"

"ایسا کرتا ہوں جو رشنا اور شمع کے لیے لایا تھا اس میں سے کچھ دے دیتا ہوں اور آپ نے پھپھو کے ہاں فون تو نہیں کیا ہوگا۔ میں آپ کو بتا کر گیا تھا۔ ساجدہ پھپھو کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" انداز کتنا جتاتا ہوا تھا اور شاہدہ بیگم صفائی میں کہہ رہی تھیں۔

"تمہارے ابو سے دونوں کی بات ہوتی رہی ہے۔"

"میں جا رہا ہوں ساجدہ پھپھو کی طرف' رات کو دیر ہو جائے گی۔"

"آج ہی تو آئے ہو بیٹا!"

"تو کیا ہوا؟" اس نے بھنویں چڑھا کر پوچھا۔ وہ خاموش ہو گئیں۔

پھر یکدم اس کا موبائل بجنے لگا۔

"ہاں شمع! آگیا ہوں یار' ذرا دم تو لو' او ہو' ہاں ہاں آج ہی آیا ہوں۔"

"تمہارے لیے؟ کوئٹہ سے تو اخروٹ ہی لائے جا سکتے ہیں۔"

"کیا اخروٹ پسند نہیں' ہاں ان کے کھانے سے دماغ جو تیز ہو جاتا ہے۔"

"کیا کہا؟ پہلے ہی تیز ہے بھئی۔ میں زبان کی نہیں دماغ کی بات کر رہا ہوں۔"

وہ چائے پینے کے دوران ایسی ہی باتیں کرتا رہا' کبھی کبھی اس کے کسی فقرے پر ان سب کے لبوں پر بھی مسکراہٹ رینگ جاتی' لیکن تائی جان خاموش بیٹھی تھیں' یوں جیسے اس کی کوئی بات سن ہی نہیں رہیں۔

اس کے بعد عدیل نے جلدی جلدی چائے ختم کی اور پھپھو کے ہاں جانے کے لیے کھڑا ہو گیا۔

"بیٹا بچے اپنی خالہ کی طرف گئے ہوئے تھے' آج ہی واپس آئے ہیں۔ میں نے کھانا بنوایا تھا' اگر ہو سکے تو جلدی آجانا۔ اکٹھے کھائیں گے۔"

"سوری مما! مجھے پہلے شمع کی طرف جانا ہے' پھر ساجدہ پھپھو کی طرف۔ آپ تو جانتی ہیں۔ وہ مجھے کھانا کھائے بغیر نہیں آنے دیں گی۔" وہ کہتے ہوئے باہر چلا گیا۔

شاہدہ بیگم نے ان کی واپسی پر کھانے پر واقعی بہت اہتمام کروایا تھا۔

ابھی یہ لوگ کھانا کھا رہے تھے کہ تایا ابا بھی آگئے۔ وہ بھی یوں ملے جیسے ان کی واپسی تین دنوں کے بعد نہیں تین ماہ کے بعد ہوئی ہے۔

☆ ☆ ☆

تایا ابا نے انہیں شہر کے بہترین تعلیمی اداروں میں ایڈمیشن دلوایا تھا۔ صبح ڈرائیور گاڑی پر ڈراپ کرنے جاتا تھا اور واپسی پر بھی گاڑی گیٹ پر منتظر ہوتی تھی۔

"ابا کی نیکیاں ہمارے کام آرہی ہیں۔ اللہ نے ہمیں باپ کے بعد بھی وقت کی آندھی کی زد میں نہیں آنے دیا۔"

چھٹی کے روز وہ اور امی کچن میں ناشتہ بنا رہی تھیں۔ ویسے تو امی روزانہ ہی ان کا ناشتہ اپنے ہاتھ سے تیار کرتی تھیں اور اب تو اکثر اس ناشتے میں تایا ابا اور عدیل بھی شریک ہو جاتے۔ تائی اماں دواؤں کے زیر اثر سوتی تھیں اور صبح دیر سے اٹھتی تھیں۔ آج تو چھٹی کا دن تھا۔ سب ہی لیٹ اٹھے تھے اور امی آج قیمے والے پراٹھے بنا رہی تھیں۔

"کیا کر رہی ہیں چچی' اتنی خوشبو آرہی ہے کہ جی چاہتا ہے یہیں بیٹھ کر کھانا شروع کر دوں' پابندی یہ لگا دی ہے سب مل کر کھائیں گے۔"

"تھوڑا صبر کر لو' میں ساتھ میں دھنیے اور پودینے کی چٹنی بھی بنا رہی ہوں۔"

"چچی! اصل میں' میں کب میں عادی ہوں ان سب کا۔ یہاں تو خیر ملازمہ کچن دیکھتی ہے کہ امی کی صحت اجازت نہیں دیتی۔ بڑی اور چھوٹی پھپھو کے ہاں بھی بڑا سادہ سا کھانا بنتا ہے' وہاں کسی کو بھی گھر کے کام کاج میں دلچسپی نہیں ہے اور ہاں یاد آیا' آج شام کو جاذبہ پھپھو آرہی ہیں۔ ساتھ میں ان کی بیٹیاں بھی ہیں' لیکن آپ کچن میں مت گھس جائیے گا' کھانا بازار سے آئے گا' وہ بازار کا کھانا ہی شوق سے کھاتی ہیں۔"

شام کو جب جاذبہ بیگم اپنی دونوں بیٹیوں کے ساتھ

آئیں، تب تایا ابا کا موڈ خاصا خراب تھا۔ اصل میں پھپھو نے شام پانچ بجے آنے کو کہا تھا۔ اب ساڑھے چھ بج رہے تھے۔ تایا ابا صرف ان کی وجہ سے اپنے ضروری کام چھوڑ کر گھر پر رکے تھے۔ دوبار عدیل نے فون کیا، پتا چلا لڑکیاں تیار ہو رہی ہیں، اسی بات نے انہیں غصہ دلا دیا تھا۔

ساڑھے چھ بجے تک تو صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔ جازبہ پھپھو کے سلام کے جواب میں ہی وہ بول گئے تھے۔ رعنا نے تایا ابا کو اتنے غصے میں پہلی بار دیکھا تھا۔ ابا تو بالکل غصہ نہیں کرتے تھے۔ ڈانٹ وہ پھپھو کی لڑکیوں کو رہے تھے اور سہم رعنا گئی تھی، جبکہ پھپھو اور ان کی بیٹیاں شاید عادی تھیں، جب ہی تو بالکل نوٹس نہیں لیا۔

لڑکیوں کی سج دھج ان کی تیاری دیکھ کر بھی اسے یہ احساس ہوا تھا وہ تو بہت سادہ ہے۔ دونوں نے تائی جان کو سلام کیا، پھر عدیل کی جانب ہاتھ بڑھائے اور ان چاروں میں سے کسی کی طرف دوسری نظر ڈالے بغیر صوفے پر جا بیٹھیں۔

میں نے اٹھ کر پھپھو کو سلام کیا تو رعنا اور دونیہ نے بھی تقلید کی۔ انہوں نے آصفہ بیگم کے سلام کا جواب صرف سر ہلا کر دیا۔ ان تینوں کی جانب خاص کر رعنا کی جانب بہت گہری، بڑی سرد نگاہ ڈالی کہ اس کا جی چاہا وہ خود اس کمرے سے جا کر اپنے کمرے میں چھپ جائے۔

"بھائی بڑے دن ہوئے آپ نے نہ میری طرف چکر لگایا نہ ہی ساجدہ کی طرف گئے۔ بہنوں کو تو آپ اب بھولتے جا رہے ہیں۔"

زور "آپ" پہ تھا۔

"میں پہلے کب زیادہ آتا جاتا ہوں۔ عدیل ہی تم دونوں کی خیر خیریت بتا دیتا ہے یا پھر تم لوگ چکر لگا لیتے ہو۔ اور سناؤ تمہارے میاں اور بیٹے کا کیا حال ہے؟؟"

"میاں ٹھیک ہیں، اپنے حال میں مگن اور میرے بچے کا آپ کیا پوچھتے ہیں بھائی! کئی بار کہہ چکی ہوں آپ سے اسے اپنی کمپنی میں رکھیں۔ نوکری پر اپنے ساتھ لگا لیں۔"

"پہلے وہ تعلیم کو مکمل کر لے اسے کہو آوارہ گردی چھوڑ کر پڑھائی پر دھیان دے۔"

بھائی کی جانب سے ایسی بات جازبہ کو بری تو لگی، خصوصاً "آصفہ بیگم کے سامنے سبکی محسوس ہوئی، لیکن وہ چہرے کے تاثرات پر کنٹرول رکھنے میں مکمل مہارت رکھتی تھیں۔

"ماموں! آج ہم سب کھانا کھانے باہر جائیں گے؟؟"

تمع پر ان کے موڈ کا مجال ہے کہ کوئی اثر ہوا ہو۔

"کتنی بار میں تم بہنوں کو کسی نہ کسی فوڈ اسٹریٹ میں دیکھ چکا ہوں جازبہ! تم نے کیا بیٹیوں کی طرف سے بالکل آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔"

"کہاں بھائی، ہمارے حالات ایسے کب سے ہو گئے کہ بچے آئے دن ہوٹلنگ کریں۔ وہ تو ان کی کچھ سہیلیوں نے ٹریٹ وغیرہ دی تھی، ورنہ تو ساری فرمائشیں بس آپ سے ہوتی ہیں۔"

"کھانا منگوایا ہے میں نے۔ گھر بیٹھ کر کھا لینا۔" اب کے کوئی کچھ نہیں بولا۔

علیم الدین کچھ دیر بیٹھے پھر اٹھ کر چلے گئے۔ ان کے جاتے ہی رعنا اور آصفہ کو بھی یہاں بیٹھنا مشکل لگنے لگا۔ دونیہ اور ظفر تو بچے تھے، اٹھ کر لان میں جا چکے تھے، پھر انہوں نے دیکھا، وہ تینوں عدیل کے گرد گھیرا ڈال کر بیٹھ گئیں۔ ان کی طرح انہوں نے شاہدہ بیگم کو بھی نظرانداز کر دیا تھا۔ مگر وہ پھر بھی یہاں بیٹھی تھیں تو یہ بھی خاموشی سے بیٹھ گئے۔

"اے لڑکی! کیا نام ہے تمہارا میرے لیے ایپل جوس تو لے آؤ۔" کچھ دیر بعد پھپھو نے بڑی رعونت سے حکم دیا تھا۔ وہ اٹھنے ہی کو تھی کہ شاہدہ بیگم نے چپکے سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور مرادو کو آوازیں دینے لگیں۔

"جی بی بی!" وہ سستی سے چلی آئی۔

"یہ نامرادو ابھی تک یہیں ہے۔ نکالا نہیں اسے۔ پچھلی مرتبہ جب میں آئی تھی۔ اس نے خالی چائے لا کر رکھ دی تھی میرے سامنے۔ میں کہہ کر گئی تھی "آئندہ یہ دکھائی نہ دے۔" جازبہ کا موڈ اسے دیکھ کر خراب ہوا۔ وہ بھابھی سے جواب طلب کرنے لگیں۔

"پھپھو! جانے دیں، مرادو! پھپھو کے لیے ایپل جوس لے کر آؤ۔" عدیل نے مرادو کو وہاں سے چلتا کیا، پھر بولا۔

"کیا کرتی ہیں آپ؟ بے چاری کیا سوچے گی اور آپ کو پتا تو ہے امی بیمار رہتی ہیں۔ زیادہ کام نہیں کر سکتیں، ملازمہ ملنا کوئی آسان تھوڑا ہی ہے۔"

"کیوں اب ملازموں کی کیا ضرورت باقی رہ گئی ہے۔" اسے اور امی کو دیکھ کر کیسے جتاتے ہوئے انداز میں کہا تھا۔ اسے لگا شاید اس کے ہاتھ دھیرے دھیرے کانپ رہے ہیں۔

"اب تو زیادہ ضرورت ہے۔ ہم لوگ زیادہ ہو گئے ہیں نا!" عدیل نے عثمان سے کہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد گل رعنا خاموشی سے اٹھی اور وہاں سے باہر نکل گئی۔

کچھ دیر کے بعد اس نے اپنے کمرے کی کھڑکی کے پردے برابر کرتے ہوئے عدیل کو ان دونوں کے ساتھ باہر جاتے دیکھا۔ کھڑکی کے شیشے کے پار دھند اتر رہی تھی' اس وقت شام گہری ہو رہی تھی' سردیوں میں اندھیرا جلدی اتر آتا تھا' وہ کتابیں لے کر ڈرائننگ ٹیبل پر آبیٹھی۔



رات کو ٹیبل یہاں سے وہاں تک بھری ہوئی تھی اور ان کا انتظار کیے بغیر کھانا شروع ہو چکا تھا۔ تائی جان ٹیبل پر موجود نہیں تھیں۔ عدیل موبائل کان سے لگائے ڈائننگ ٹیبل سے قدرے فاصلے پر کھڑا دھیمی آواز میں کسی سے بات کر رہا تھا۔ ٹیبل پر یہ تینوں ماں بیٹیاں ہی تھیں۔ اتنے میں شاہدہ بیگم چلی آئیں۔

"ارے شاہدہ! بریانی گھر میں بنوانے کی کیا ضرورت تھی' نہ مرچ نہ مسالا' پھیکی سیٹھی۔"

"بالکل مزہ نہیں آرہا۔" شمع نے بھی اعتراض میں حصہ لیا۔ پھر مڑ کر ابھی تک موبائل پر مصروف عدیل کو دیکھا اور بولی۔

"ہم کھانا باہر سے کھا آتے تو بہتر تھا۔"

"بھابھی! لقمان اور اس کے ابا گھر پر ہی ہیں' ان کے لیے کھانا بندھوا دیں' ہم لے کر جائیں گے۔" کھانے میں نقص نکالنے کے دوران جاذبہ نے یہ حکم دیا تھا اور ٹیبل پر آتا عدیل ہنس پڑا تھا۔

"تمہیں کیا ہوا اور اتنی لمبی بات کس سے کر رہے تھے؟" رشنا پوچھنے لگی۔

"تمہاری خالہ زاد بہن بات کر رہی تھی۔"

"ہونہہ بہن! اللہ معاف رکھے ایسے رشتہ داروں سے تم نے بھی تا ساجدہ خالہ کی اس بیٹی کو بڑا سر چڑھا رکھا ہے۔"

"لائیں امی یہ ڈش ادھر کریں۔ اور پلیز کباب بھی پکڑا دیں۔ تھوڑا سا کھاؤں گا۔ آج نیند بہت آرہی ہے۔" وہ ان سنی کرتے ہوئے ماں سے بولا تھا۔

"کیا! ہم آئے بیٹھے ہیں تم سونے کی بات کر رہے ہو۔"

"اوہو اچھا میرا تو خیال تھا کھانے کے بعد آپ لوگ اجازت چاہیں گے۔"

"دیکھ لیں امی!" شمع منہ بنا کر ماں سے شکایت کرنے لگی۔

"مذاق کر رہا ہے۔ ورنہ کیا میں نہیں جانتی کتنا پیار کرتا ہے یہ ہم سے۔" پھوپھو جاذبہ کھانے میں مصروف بولی تھیں۔

"ایسے ہی بناتے ہیں یہ صاحب ہمیں۔" رشنا کچھ خاص اس کے منہ سے سننا چاہتی تھی۔

"ادھر لاؤ یہ کوفتے۔ توبہ' ہر چیز ہی بے ذائقہ۔" جاذبہ نے پھر تبصرہ کیا۔

"پھپھو اب تو لگتا ہے مجھے ہی کوکنگ سیکھنی پڑے گی۔" وہ فکر مندی سے کہہ رہا تھا۔

"کیوں لوگ کم تھوڑی ہیں گھر میں۔ یہ سیکھیں حالات اچھے نہ ہوں تو ہنر ہاتھ میں ضرور ہونا چاہیے۔ کیسی کام آجاتا ہے۔ چھوٹے بچوں کا ساتھ ہے' کوئی دوسرا بھلا کتنے عرصے بوجھ اٹھا سکتا ہے۔"

اور ان کے ہاتھ رک گئے تھے۔

اپنی بات کہہ کر وہ پھر کھانے کی طرف متوجہ ہو گئی تھیں۔

باہر بھی ویسی ہی تاریکی اور گہری تھی جیسی رعنا کے اندر اترنے لگی تھی۔

"ابا' میرے اچھے ابا۔" اس کا جی چاہا' وہ چیخ چیخ کر رونے لگے۔



ساجدہ کو پتا چلا تھا جاذبہ بھائی کے ہاں آئی تھی تو انہوں نے بھی بیٹی کے ساتھ ادھر آنے کا پروگرام بنا لیا۔

"امی! آپ فون پر ان سے پوچھ لیں' وہ کیا کھانا پسند کریں گی' مہمان کو اگر کھانا بھی اس کی پسند کا نہ ملے تو اس سے بری بات کیا ہو گی اور یہ تو ان کے بھائی کا گھر ہے' اس گھر پر پورا حق ہے ان کا۔"

"جاذبہ کے آنے پر جو کچھ بنا' وہ تمہارے ابا کے کہنے کے مطابق ہی تھا۔" شاہدہ بیگم نے وضاحت کی تھی۔

"بابا کو تو بس اپنی مرضی ٹھونسنے کی عادت ہے۔ یہی بہتر ہے اس مرتبہ آپ پھپھو سے پوچھ لیجئے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" بادل ناخواستہ شاہدہ بڑے تحمل سے

بول تھیں، جانتی تھیں۔ یہ سب شکایت جاذبہ اور لڑکیوں نے اس سے کی ہے، حالانکہ انہوں نے اس روز کھانا بھی ٹھیک ٹھاک اور گھر بھی لے کر گئی تھیں۔

"بی بی صاحبہ! کوئی ملنے والے آئے ہیں۔ ایاز نام بتا رہے ہیں، ساتھ میں ایک خاتون بھی ہیں، کہہ رہے ہیں، ظفر میاں کی والدہ سے ملنا ہے۔"

"ایاز بھائی ہوں گے۔" رعنا ایک دم جوش سے بولی تھی تو عدیل نے اس کی جانب دیکھا تھا۔ "بلاؤ نا انہیں، بلکہ امی ہم انہیں ادھر اپنے پورشن میں لے چلتے ہیں۔"

"نہیں ادھر ہی بلالو۔ یہ بھی تمہارا اپنا گھر ہے، میں چائے پر کچھ انتظام بھی کرواتی ہوں۔" شاہدہ بیگم کے کہنے پر ایاز اور انیلا باجی ادھر ہی آگئے، سادہ سے پرخلوص چہرے، رعنا کو لگا اس وقت تو اسے ان کی بہت ضرورت تھی۔ وہ انیلا باجی کے گلے لگ گئی۔ ایاز کو سلام کیا۔ خالہ اور گھر کے باقی افراد کا حال پوچھنے لگی۔

"آج پہلی بار اسے اتنی آواز میں بولتے سنا ہے۔" عدیل نے بے اختیار سوچا تھا۔ ایاز اور انیلا سے وہ بھی اچھے طریقے سے ملا، پھر کہیں جانا تھا، اس لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ یہ لوگ ادھر ادھر کی چھوٹی چھوٹی باتیں کرتے رہے، پھر انیلا بولی۔

"اپنا کمرہ تو دکھاؤ۔ میں دیکھوں تو سہی، کیسے سیٹ کیا ہے، کتنی سگھڑ ہو تم۔"

"سگھڑ تو میں بالکل نہیں ہوں، بس ابھی تک صرف پڑھائی کی طرف ہی توجہ ہے نا! میٹرک کی چھٹیوں کے بعد امی کے ساتھ کھانا بنانے میں لگی تھی۔ کچھ سیکھ بھی لیا ہے، باقی اور تو ابھی کچھ نہیں آتا۔"

"پڑھنے کا شوق ہے، کیا بننا چاہتی ہو؟"

"یہ تو نہیں سوچا، لیکن میں اپنے پیروں پہ کھڑے ہونا چاہتی ہوں۔ میرا بھی نام ہونا چاہیے، میری پہچان میرے اچھے کام سے ہونی چاہیے، میں مضبوط لڑکی کہلانا چاہتی ہوں، مجھے یہ بھی پتا ہے ہمارے معاشرے میں یہ آسان نہیں ہے۔"

"ارے رعنا!" انیلا نے ایک دم چونک کر اس کی طرف دیکھا تھا، "تم اتنی بڑی بڑی باتیں کب سے کرنے لگیں۔"

"میں نے اپنے گھر میں عورت کی عزت دیکھی ہے، بیوی کے روپ میں بھی اور بیٹی کے روپ میں بھی، لیکن جب میں نے اپنے گھر سے باہر نظر ڈالی تو وہاں ایسا نہیں ہے تب میں نے سوچا مجھے ہر جگہ اپنی عزت کروانی ہے اور اس کے لیے تعلیم حاصل کرنا بھی تو ضروری ہے۔"

"دنیا بہت ظالم ہے رعنا! میری دعا ہے، تمہیں زندگی میں ہمیشہ اچھے لوگ ملیں۔" انیلا نے دل سے کہا تھا۔



آصفہ بیگم اکثر آپ خود ہی کچن دیکھنے لگی تھیں۔ آج بھی انیلا اور ایاز کی آمد پر وہ خود ہی کچن میں لگ گئیں اور اک احساس تلے دب کر انہوں نے اپنے رشتے داروں کے لیے زیادہ اہتمام بھی نہیں کیا۔ چکن کا سالن، سبزی پلاؤ اور سلاد، لیکن ہاتھ میں ذائقہ تھا۔ سب اچھا بنا تھا۔

کھانے کے بعد جب وہ لوگ رخصت ہو رہے تھے۔ اسی وقت عدیل گھر میں داخل ہوا تھا۔

"یہ ایاز صاحب کرتے کیا ہیں؟"

"پتا نہیں۔" وہ دروازہ کھول کر اندر چلی گئی کہ سردی بہت زیادہ تھی۔ اسے رہ رہ کر انیلا اور ایاز کا خیال آ رہا تھا۔

"کھانا کھاؤ گے بیٹا؟" عدیل کو دیکھ کر شاہدہ بیگم پوچھ رہی تھیں۔

"نہیں میں ساجدہ پھپھو کی طرف چلا گیا تھا۔ کھانا بھی وہیں کھالیا اور ایک نئی خبر بھی ہے۔ پھپھو اپنے ہونہار صاحبزادے جناب عقیل صاحب کی بات تقریباً طے کر چکی ہیں۔ عنقریب منگنی کی تقریب سعید متوقع ہے۔"

پتا نہیں وہ کیوں ہنس رہا تھا۔

"یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے، کہاں پکی کی عقیل کی بات، میرا تو خیال تھا وہ جاذبہ کی لڑکیوں میں سے کسی ایک کو لیں گی۔ آخر کو بھانجیاں ہیں۔" "بھانجیاں ہیں تو یہ کہاں لکھا ہے کہ بھانجیوں کے ساتھ دشمنی کرو۔ عقیل کو تو جاذبہ پھپھو اچھی طرح جانتی ہیں بھلا دیتیں وہ شخص! رشتا میں سے کسی کا رشتہ اور تو اور لڑکیاں تو ایسی بات پر ہی قیامت اٹھا لیتیں۔ اب بھی کوئی عقل کا اندھا ہی ہوگا جس نے بیٹی ایک بوجھ سمجھ کر انہیں دے دی ہے۔"

"بیٹی کو بوجھ کون سمجھتا ہے، بس غیروں میں سو عیب چھپ جاتے ہیں۔"

"ہاں یہ بھی ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ۔ بہرحال سب بہت خوش تھے۔ روزینہ باجی اور ان کے میاں صاحب بھی تشریف لائے ہوئے تھے اور یہ بھی ایک الگ ہی لطیفہ ہیں۔ روزینہ باجی کے ساتھ تو ذرا نہیں جچتے" میں نے تو بتا

سے کہہ دیا تم خیر مناؤ۔ اب تمہاری باری ہے۔ کہیں پھپھو روزینہ باجی کے میاں جیسا ہی نہ تمہارے لیے اٹھا لائیں۔"

"تمہارے ابا ابھی تک گھر نہیں آئے۔ ٹائم خاصا ہو رہا ہے۔ نمبر تو ملاؤ ان کا۔" اس بار انہوں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا تھا۔

"اوہو! اب اس عمر میں ابا نے کہاں جانا ہے۔ کیوں فکر کرتی ہیں آجائیں گے۔"

"میرا یہ مطلب تھوڑی تھا' میں تو۔"

"آجائیں گے' مت پریشان ہوں اور ابھی ابا سے عقیل کے رشتے والی بات کا تذکرہ مت کیجیے گا۔ سوچیں گے بہن نے بتایا تک نہیں' جبکہ ساجدہ پھپھو دو ایک روز میں مٹھائی کے ساتھ آنے کا ارادہ رکھتی ہیں۔"

"اگر تمہارے ابا ایسا سوچیں گے تو غلط نہ ہوگا' ہر ہر قدم پر بہنوں کا خیال رکھا ہے اور اب جب بیٹے کا رشتہ کرنے کا وقت آیا تو کسی سے مشورہ تک نہیں مانگا۔ بات پکی کر کے مٹھائی دینے آ رہے ہیں۔"

"بس' ایک تو آپ عورتوں کی یہ باتیں کوئی نہ کوئی اعتراض کا پہلو نکال ہی لیتی ہیں' رنجشیں بڑھانے میں جواب نہیں۔" وہ اچھا خاصا خفا ہوا اور لاؤنج سے اوپر جاتی سیڑھیاں طے کر کے اپنے کمرے میں چلا گیا۔

"باپ کی پروا نہیں' بس پھوپھی کی حمایت ہر حال میں کرنی ہے۔ علیم نے کیا نہیں کیا ان بہنوں اور ان کے بچوں کے لیے' جائیداد میں سے شرعی حصہ سب کو ملا تھا۔ لیکن دونوں ہی بہنوئی کاروبار کے شوق میں سب گنوا بیٹھے۔ بہنوں پر تنگی آئی تو علیم نے ہر طرح سے ہمیشہ ان کی مدد کی ہے اور اب تک کرتے آ رہے ہیں' لیکن اب عقیل بھی ملازم ہو گیا ہے اور چھوٹا بھی کمانے لگا ہے تو ساجدہ نے کتنی آسانی سے بھائی کو بھلا دیا اور یہ علیم کا لاڈلا اکلوتا بیٹا اسے پروا ہی نہیں کہ باپ یہ سن کر کیا محسوس کرے گا۔ زرینہ کی شادی پر سارا خرچ علیم نے اٹھایا۔ حالانکہ وہ اس رشتے کے حق میں نہیں تھے۔ لیکن بہن' بہنوئی سے زیادہ اظہار نہیں کیا کہ ان کی بیٹی ہے اس کے لیے اچھا ہی سوچا ہوگا۔"

"چھوڑیے بھابھی! آپ کیوں اپنی طبیعت خراب کرتی ہیں۔"

"افسوس ہوتا ہے آصفہ! ان دونوں بہنوں کی خودغرضی پر اور غصہ بھی آتا ہے۔" انہوں نے تاسف سے سر ہلایا تھا۔



انہوں نے واقعی علیم الدین سے بالکل ذکر نہیں کیا۔ انہیں تب ہی خبر ہوئی جب چھٹی کے روز دن کے بارہ بجے ساجدہ' میاں اور بچوں کے ساتھ مٹھائی لیے چلی آئیں۔ عدیل نے آگے بڑھ کر استقبال کیا اور مینا اس کے ساتھ ساتھ چلتی اس کے برابر میں ہی صوفے پر بیٹھ گئی۔

ساجدہ بھائی کو سلام کرنے کے بعد کتنی دیر ان سے لپٹی کھڑی رہیں۔

"امی! آپ آکر بیٹھ جائیں۔" زرینہ نے ہاتھ پکڑا۔

"پیچھے ہٹو' مجھے اپنے والدین کی خوشبو محسوس کرنے دو' بھائی کے پاس آکر اس چھاؤں کا احساس ہوتا ہے' جو ماں باپ کی زندگی میں محسوس کیا کرتے تھے۔" وہ جذباتی بیان واقعے میں کمال رکھتی تھیں۔ ایسی گفتگو کے بعد جب عقیل کی بات پکی ہونے کی اطلاع دی جاتی تو بھلا علیم صاحب کوئی اعتراض کرنے کے قابل رہ جاتے بھلا؟

"اچھا تو یہ ہیں وہ بے سہارا بچے جنہیں آپ نے اپنے گھر میں رکھا ہے۔" زرینہ کے میاں نے ان تینوں پر نظر ڈالی' پھر رعنا پر نظریں جما کر فرمایا۔

"کیا مطلب بھئی یہ خون ہیں میرا۔ میرے بھائی کی اولاد' میرے بچے۔" تایا ابا غصہ ضبط نہیں کر سکے تھے۔

"میرے بھائی! تمہارا دل ہی بہت بڑا ہے۔" ساجدہ نے داد دی' پھر مٹھائی کا ڈبہ کھولنے لگیں۔ اپنے ہاتھ سے پیارے بھائی کو کھلایا' پھر عدیل کی جانب دیکھا۔

"ادھر آنا پھپھی کی جان تو بھی میرے ہاتھ سے کھا۔" برفی کا ٹکڑا بڑے پیار سے کھلانے کے بعد پیشانی بھی چوم لی۔ ان لوگوں کا تو ذکر ہی کیا شاہدہ بیگم بھی یاد نہیں آئیں۔

"بس بھائی تمہاری دعاؤں سے اللہ نے اچھی جگہ بات بنا دی ہے' لڑکے کے نام مکان بھی ہے اور بینک میں بھی کہتے ہیں کافی رقم ہے' اس کے نام پر۔"

"ہاں' ورنہ لڑکی تو یہ بھی اچھی ہے۔" عقیل نے مینا کے کان میں سرگوشی کی' جسے عدیل نے بھی سنا اور پہلو بدل کر رہ گیا۔

"یہ والی ہونہہ ایسی کون سی خوبی ہے اس میں ذرا بتانا تو۔" مینا نے منہ بنایا۔

"رعنا مرا دوسے کہو چائے رکھ دے اور پلیز اپنی نگرانی میں تیار کروا لینا۔" عدیل نے رعنا کو کچن میں بھیج دیا۔

"یار! اتنی جلدی کیا پڑ گئی چائے کی۔" عقیل نے کینگی سے آہ بھری۔

آج ساجدہ کی فیملی کا سارا دن ادھر ہی گزرنا تھا جس میں بیاہی بیٹی زرینہ اس کا شوہر ایاز میاں' دو بد تمیز بچے بھی شامل تھے۔ باقی بیٹا عقیل اور چھوٹا وحید بھی کسی سے کم نہ تھے' گھر آوازوں سے گونج رہا تھا۔ سب ہی بہت اونچی آواز میں بولنے اور ہنسنے کے شوقین تھے۔

جاذبہ کی فیملی کی طرح انہیں بھی گھر کا کھانا پسند نہیں تھا' آج بھی ان کی پسند پر تایا ابا نے آرڈر لکھوایا تھا' باقی کچھ کام گھر پر بھی ہو رہا تھا۔

"علیم! میرے بھائی! میں کہے دیتی ہوں۔ بھانجے کی منگنی کی ساری تیاری تمہیں ہی کرنا ہے۔ کیا دینا دلانا ہے۔ کیا کھانے میں رکھنا ہے' بس میں نے کہہ دیا ہے تمہارے بہنوئی سے جو میرا بھائی فیصلہ کرے گا وہی ہو گا۔"

"ارے آپا! مجھے تو تمہاری خوشی عزیز ہے' تم جو کہو گی' میں ایسا ہی کروں گا۔"

"جیتا رہ میرا بھیا' اللہ تعالیٰ اور بھی دے' اتنا دے کہ تمہاری نسلیں بھی سنبھالتے تھک جائیں۔"

"شاہدہ! کہاں رہ گئی ہو' چائے لے بھی آؤ۔"

"چھوڑو بھائی! کیا کہتے ہو۔ یہ تو ہمیشہ کا رونا ہے۔" بھابھی کے لیے ایسا انداز' آصفہ تو گھبرا ہی گئیں اور خود بھی اٹھ کر کچن میں چلی گئیں۔

"آؤ آصفہ! آج تو سارا دن کچن میں ہی گزرے گا اور ایک طرح سے تو یہ غنیمت ہی ہے۔" شاہدہ چڑ سے بولی تھیں۔



عقیل کی منگنی کی ڈیٹ فکس ہو گئی تھی' اس سلسلے میں علیم اور عدیل بھی گئے تھے۔ شاہدہ بیگم کو بھی سرسری انداز میں آنے کو کہا تو گیا تھا' لیکن وہ جا نہیں سکیں' جس پر علیم صاحب کو گلہ بھی تھا۔ لیکن شاہدہ کا کہنا تھا' ساجدہ نے کون سا زور دیا تھا اور میرے جانے نہ جانے سے اسے کوئی فرق بھی نہیں پڑے گا اور علیم صرف یہ سوچ کر خاموش ہو گئے تھے کہ گھر میں آصفہ اور بچے بھی رہتے تھے۔ ساجدہ نے انہیں بھی نہیں بلایا تھا۔ اگر ہم لوگ انہیں چھوڑ کر چلے جائیں گے تو یہ محسوس کریں گے۔

تقریب تو ساجدہ کے گھر میں ہونا تھی۔ لیکن ساری رونق جیسے ادھر اتر آئی تھی۔ بینا اکثر عدیل کے ساتھ شاپنگ کرنے کے لیے چلی آتی۔ ساجدہ نے لڑکی کا جوڑا' زیور' دوسرا سامان' علیم تو کبھی عدیل کے ساتھ جا کر خریدا تھا' اکثر وحید بھی چلا آتا اور رعنا اپنے کمرے میں جا کر بیٹھ جاتی' لیکن پھر پھپھو کو اس پر بھی اعتراض ہونے لگا تو اس نے ایاز کو فون کر دیا۔

"آپ پلیز آ کر مجھے لے جائیں' میں کچھ دن آپ کے گھر رہنا چاہتی ہوں۔" جس وقت وہ ایاز کی بائیک پر بیٹھ کر اس کے گھر جا رہی تھی۔ اسی وقت عدیل بینا اور روزینہ کو لیے گھر میں داخل ہوا تھا۔

"وہ ہمارے ساتھ تو سیدھے منہ بات بھی نہیں کرتی' یہ کون لگتا ہے اس کا جس کے ساتھ سیروں پر جا رہی ہے۔" بینا نے کہا تو زرینہ بولی۔

"پوری گھنی میسنی ہے۔ یہ سب بھی توجہ حاصل کرنے کے بہانے ہوتے ہیں۔"

"ابھی اتنی عمر نہیں ہے اس کی۔ سادہ سی لڑکی ہے۔" عدیل بے ساختہ بول اٹھا۔

اور اس کے بعد گھنٹہ بھر ان کا لیکچر جاری رہا تھا۔

"رعنا کہاں گئی ہے؟" ان کی باتوں کا اثر ہی تھا کہ وہ شاہدہ بیگم سے پوچھ رہا تھا۔

"اپنی خالہ کے ہاں گئی ہے' چند روز کے بعد آ جائے گی۔"

"کیوں ایسی کیا ضرورت پیش آ گئی؟"

"بھئی۔ جیسے یہ تایا ہیں اسی طرح وہاں اس کی خالہ ہیں اور وہ بہت مانوس ہے۔ اس گھر سے اور جب آصفہ نے اجازت دی ہے تو ہم کون ہوتے ہیں روکنے والے۔"

"ہاں ہم تو الو کے پٹھے ہیں' کل کو کوئی مسئلہ ہوا تو پھر الزام کس کے سر آئے گا۔"

"کیسا مسئلہ؟" وہ اس کے تیور دیکھ کر حیران تھیں۔ عدیل نے جواب نہیں دیا' جا کر بینا اور روزینہ کے پاس بیٹھ گیا۔

رعنا کو تقریب میں تو شامل ہونا ہی تھا۔ اس لیے صرف دو روز کے بعد ہی آنا پڑا۔

تقریب کے دوران اندازہ ہوا جاذبہ اور ساجدہ پھپھو کی لڑکیاں ایک دوسرے سے خاصی بیزار بلکہ خار کھاتی ہیں

اور تو اور رشنا اور شمع سگی بہنیں ہو کر بھی روٹھی روٹھی سی ہیں' خاص کر عدیل کے معاملے میں وہ تینوں ایک دوسرے کو کوئی بھی رعایت دینے کے لیے بالکل تیار نہیں تھیں اور تینوں کو اس سے کیا دشمنی ہے' اسے دیکھتے ہی تیوری کیوں چڑھا لیتی ہیں' یہ بات وہ بالکل سمجھ نہیں پائی تھی۔ تقریب کے روز جب وہ ہلکی سی امبرائیڈری سے سجا نیلے رنگ کا سوٹ پہن کر تیار ہو کر سامنے آئی تھی تو عدیل نے بے ساختہ "بہت اچھی لگ رہی ہو" کہا تھا۔ وہ عمر کے اس دور سے گزر رہی تھی جہاں دامن بچاتے بچاتے بھی جل جایا کرتے ہیں اور دل ذرا ذرا سی بات پر دھڑک اٹھتا ہے۔ عدیل کوئی نظر انداز کر دینے والی ہستی تو نہیں تھا' لیکن وہ اپنے اور اس کے درمیان جو فرق تھا وہ اس سے بخوبی واقف تھی۔ اور وہ تایا ابا کی شکر گزار تھی۔ شکر گزار ہمیشہ سر جھکا کر رہتا ہے' لیکن عدیل کی آنکھوں میں اس کے لہجے میں ایسا کچھ تھا جو آج اس کا دل دھڑکا گیا اور وہ ہتھیلیوں میں نمی لیے اس کے سامنے سے ہٹ گئی۔ لیکن کہاں چھپ سکتی تھی' وہ روشیہ کے ساتھ ذرا الگ تھلگ بیٹھی تھی۔

"باجی! یہ وحید بھائی بار بار آپ کی جانب اشارہ کر کے اپنے دوستوں سے کچھ کہہ رہے ہیں۔" روشیہ کے کہنے پر اس نے سر اٹھایا۔ واقعی وہ چند اپنے جیسے دوستوں میں کھڑا اسی کو دیکھ کر کچھ کہہ رہا تھا۔ وہ وہاں سے اٹھی اور اندر چلی گئی۔ (تقریب کا انتظام کھلے صحن میں شامیانے لگا کر کیا گیا تھا۔) پھپھو ساجدہ کے گھر کے نقشے سے وہ واقف نہیں تھی۔ اسے پیاس محسوس ہو رہی تھی۔ آگے بڑھ کر ایک دروازہ کھولا اور اس کے قدم جہاں تھے وہیں جم گئے۔ عدیل اور شمع ایک دوسرے کے قابل اعتراض حد تک قریب' اخلاقی اور مذہبی اقدار کو پامال کرتے...

وہ اندھیرے میں تھی' دوسرے وہ جس عالم میں تھے' انہیں کہاں ہوش تھا۔ اس کے آنے کا پتا ہی نہیں چلا اور وہ بے جان قدموں کے ساتھ واپس پلٹ آئی۔ دل جیسے مٹھی میں آ گیا تھا' اسے سانس لینے میں بھی دقت ہو رہی تھی' بار بار سر کو جھٹکتی۔ لیکن وہ منظر ذہن سے ہٹتا ہی نہیں تھا۔

خوبصورت چہروں والے یہ مکروہ کردار کے مالک لوگ۔ اور وہ تو اسی کے گھر میں رہتی ہے...

"رعنا کیا ہوا ہے تمہیں؟ طبیعت خراب ہو رہی ہے؟" شاہدہ بیگم قریب چلی آئیں۔

"تائی امی!" وہ ان سے لپٹ گئی۔

"ارے تم تو کانپ رہی ہو' چلو اندر چل کر لیٹو۔"

"نہیں نہیں۔ میں اندر نہیں جاؤں گی' پلیز مجھے یہیں بیٹھا رہنے دیں۔"

وہ انہیں کیا بتاتی' دوپٹے کو اچھی طرح اپنے گرد لپیٹ کر وہ غیر شعوری طور پر اپنے گرد حفاظتی حصار بنا رہی تھی اور پھر یہ کوشش وہ ہمیشہ کرنے لگی' دوپٹہ سر پر اور اس کے جسم پر ہر وقت بہت اچھی طرح لپٹا ر دکھائی دینے لگا' وہ لاؤنج میں ایسے وقت میں آنے سے گریز کرتی جب عدیل وہاں موجود ہوتا۔ وہ کچن میں مرادو کے ساتھ کام کرواتی رہتی یا پھر اپنے کمرے میں جا کر پڑھتی رہتی' اس کا جی چاہتا تھا وقت پر لگا کر اڑ جائے وہ جلد از جلد تعلیم مکمل کر کے اپنے پیروں پر کھڑی ہو جائے۔



"کیا بن رہا ہے؟" وہ کچن میں کھڑی چاول چن رہی تھی۔ پتا ہی نہیں چلا کب عدیل آ گیا' وہ تو ڈر گئی۔

"کن خیالوں میں گم تھیں؟" اس کے ڈرنے پر وہ ہنس پڑا تھا۔ رعنا آہستگی سے اس کے قریب سے ہٹ گئی اور چاولوں کا تھال بھی سلیب سے اٹھا لیا۔

"کہاں رہتی ہو' دکھائی ہی نہیں دیتیں۔" اس نے نوٹس نہیں لیا اس کے کترانے کا اور سلاد کی پلیٹ سے ٹماٹر اٹھا کر کھانے لگا۔

"ادھر ہی ہوتی ہوں' پڑھتی رہتی ہوں۔" وہ پھر چاولوں کی جانب متوجہ ہوئی۔

"کوئی مشکل تو نہیں پیش آ رہی' تم میری ہیلپ لے سکتی ہو' کھانا بنانے میں نہیں' اسٹڈی میں۔"

"جی۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"تم ہنستی بولتی نہیں ہو؟" پھر جیسے یاد آیا بولا۔ "نہیں نہیں ہنستی بولتی تو ہو' میں پوچھنا چاہتا تھا ہم سے ہنسنا بولنا منع ہے کیا؟"

عدیل نے ایک دم سے اس کا ہاتھ پکڑا تھا اور اسے جیسے کرنٹ لگا تھا۔ عورت کا گھبرانا' کترانا' مرد کو اس کی مردانگی کا احساس دلاتا ہے۔ عدیل نے بھی مسکراتے لبوں کے ساتھ گہری سانس لیتے ہوئے یہ منظر دیکھا اور اپنے ہاتھ میں پکڑا اس کا ہاتھ سینے پر رکھ لیا۔

"بہت بھولی، بہت سویٹ ہو۔ کبھی کبھی تو بہت حیرت ہوتی ہے مجھے تم پر۔"

"ہاتھ تو چھوڑ دیں، پلیز پلیز ایسے مت کریں۔" اس میں اس وقت اتنی ہمت نہیں تھی کہ اس کے ہاتھ سے ہاتھ کھینچ لیتی۔

"ارے رونے کیوں لگی ہو؟" اور اس کا ہاتھ اس کے معصوم کنوارے ان چھوئے چہرے پر آ گیا، اس نے رعنا کے آنسو چن لیے۔ اور اس روز شدید سردی کے موسم میں پتا نہیں کتنی بار رعنا نے منہ دھویا۔ لیکن گندگی دور ہی نہیں ہوئی تھی۔ وہ ہاتھ، وہی ہاتھ اس روز تنہائی میں شمع کے ساتھ... اور رعنا کانپنے لگتی۔



ایک سال آخر ایک سال بیت ہی گیا۔ عدیل کسی کام کے سلسلے میں باہر چلا گیا اور اس کے جانے کے بعد رعنا کے سر سے جیسے ایک بوجھ اتر گیا۔ اس کے جانے کے بعد دونوں پھپھوؤں اور ان کی لڑکیوں کی آمد بھی برائے نام رہ گئی تھی۔ اس ایک سال نے رعنا کو بہت کچھ دیا، جس میں سب سے اہم اعتماد تھا اور اسے با اعتماد لڑکی بنانے میں انیلا، روحی اور ایاز بھائی کا بہت ہاتھ تھا۔ وہ کبھی ڈیبیٹس میں حصہ لینے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ ایاز بھائی نے تقریر لکھ کر دی اور روحی نے تیاری کروائی تھی۔ اسے سیکنڈ پرائز ملا اور پھر تو دھن سوار ہو گئی، مجھے آگے ہی آگے بڑھنا ہے۔ عورت کمزور نہیں ہے۔ رعنا کو شمع نہیں بننا، جسے مرد جب چاہے جیسے چاہے محبت کا جھانسہ دے کر استعمال کرے، وہ آج بھی اس منظر کو نہیں بھولی تھی وہ منظر آج بھی اسے مضطرب کرتا تھا اور اسے اپنی پھپھو کی بیٹیاں اتنی ہی بری لگتی تھیں جتنا عدیل۔

باپ کی دولت سے ناجائز فائدہ اٹھانے والا اپنی خوبروئی کے گھمنڈ میں سب کچھ کر گزرنے والا سطحی سوچ کا مالک بڑا عام سا مرد۔ اس نے اپنے باپ سے کچھ نہیں لیا۔ سوائے مردانہ وجاہت کے، لیکن کردار کا گھناؤنا پن صورتوں پر مکروہ تاثر پیدا کر دیتا ہے۔



وہ غیر نصابی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی تھی۔ جس نے اس کی شخصیت میں اعتماد پیدا کیا تھا۔ لیکن وہ اپنی قدروں کو بھی نہیں بھولی تھی۔ تایا ابا کے سامنے ہمیشہ سر پہ دوپٹہ اوڑھ کر اور نظر جھکا کر آتی تھی۔ گھر کے کاموں سے اس نے کبھی جی نہیں چرایا تھا کہ اسے کبھی اپنے عورت ہونے پر افسوس یا شرمندگی نہیں ہوئی تھی۔ مردوں والے کام وہ لڑکیاں کرتی ہیں، جو عورت کو مرد سے کمتر جانتی ہیں۔

اب ایک سال بعد عدیل واپس آ رہا تھا۔ تایا ابا بے حد خوش تھے، جاذبہ اور ساجدہ کو بھی اطلاع دے دی تھی۔ وہ دونوں ٹھہر آ گئیں۔

"اے ہے بھابھی! بس یہی کچھ پکوایا ہے۔ اتنے عرصے کے بعد میرا بچہ گھر آ رہا ہے اور یہاں پر نہ کوئی خوشی، نہ اہتمام مجھے ہی بتا دیا ہوتا، میں گھر سے کچھ پکوا کر لے آتی۔" ساجدہ کی بات کا شاہدہ بیگم نے کوئی جواب نہیں دیا۔

وہ ویسا ہی تھا شوخ زندہ دل اور وجاہت میں تو مزید اضافہ ہو گیا تھا۔ مینا، رشنا اور شمع کے ساتھ باتیں کر کر ان کی باتوں پر ہنستا بقول شاہدہ بیگم "میرا بچہ تو بالکل شہزادہ لگ رہا ہے۔" تایا ابا بھی اس کی واپسی پر بے حد خوش تھے اور اپنے معمول کے خلاف بہت ہنس بول رہے تھے۔

وحید اسے بتا رہا تھا کچھ ناگزیر وجوہات کی بناء پر ہمارے عقیل بھائی کی منگنی ختم ہو گئی تھی۔ آج کل لڑکی کی تلاش جاری ہے۔

"کیسی ہو رانی؟" وہ چائے کے برتن سیٹ کر رہی تھی، جب عدیل کچن میں چلا آیا اور اس کے طرز تخاطب پر وہ چونک گئی۔

"بہت یاد آتی تھیں تم اور مجھے ایک ڈر بھی تھا، پتا نہیں تم اب بھی ویسی ہی دوپٹے میں لپٹی شرمیلی سی لڑکی رہی ہو گی یا زمانے کی ہوا کا شکار ہو گئی ہو گی۔ لیکن تم اب بھی وہی ہو اور مجھے بہت اچھا لگ رہا ہے۔"

"آپ چلیں عدیل بھائی! میں چائے لا رہی ہوں۔" ناگواری کے احساس کو چھپا کر اس نے سہولت سے کہا تھا۔

"اے اے خبردار، آئندہ بھائی مت کہنا۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر وارننگ دینے والے انداز میں کہا تھا۔

"کہاں رہ گئے ہو عدیل! اتو یہ بھی کوئی جگہ ہے۔" شمع بولتی ہوئی اس کے قریب آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ پھر سرد سی نگاہ رعنا پر ڈال کر بولی۔

"کیا کر رہے تھے تم یہاں؟"

"یہاں رعنا کے سوا کون ہے، تو میں اسی سے باتیں کر رہا تھا۔"

"ایسی کون سی خاص باتیں ہیں جو سب کے درمیان نہیں ہو سکتی تھیں۔" وہ جرح کر رہی تھی۔

"تم کیوں چلی آئیں؟"

"وہ تمہیں دیکھتے ہی آئی ہوں' اب آ بھی چکو یا یہیں کھڑے رہنے کا ارادہ ہے۔"

"شمع! تم جاؤ اور مجھے یہ جاسوسی بالکل پسند نہیں۔" وہ ایکدم اجنبی بن گیا تھا۔

یہاں سے جانے کی بجائے شمع نے بھی برتن ٹرالی میں رکھنے شروع کر دیے تو وہ خود باہر نکل گیا۔

"کیا کہہ رہا تھا تم سے؟" شمع خاصے رعب سے پوچھ رہی تھی۔

"کہہ رہا تھا ان تینوں لڑکیوں میں سے کون سی بہتر لگتی ہے؟"

"پھر۔ پھر تم نے کیا کہا؟" وہ بے تابی سے بولی۔

"ظاہر ہے کہ کوئی بھی نہیں۔" اس نے ابرو چڑھا کر شمع کی جانب دیکھا' پھر سر جھٹک کر ٹرالی لے کر چل پڑی۔

چائے کے دوران شمع خواہ مخواہ رعنا کی مدد کے لیے اٹھتی رہی' کبھی کسی کو پلیٹ تھماتی' تو کبھی اس کے ہاتھ سے پلیٹ لے کر خود آگے پہنچاتی۔ چائے بھی اسی نے بنائی اور چائے کے دوران ہی آئندہ کے پروگرام بھی بنتے رہے۔ دو روز کے بعد جاذبہ پھپھو کے ہاں کھانا تھا تو اس سے اگلے روز ساجدہ پھپھو نے انوائٹ کیا تھا اور ساتھ یہ بھی کہا تھا۔

"دیکھنے کو تمہیں ترس گئی ہیں' سامان لے کر آنا۔ کچھ روز تو اپنے ہاں رکھوں گی۔"

"ہاں بھئی چاند! بہت اداس ہیں ہم تمہارے لیے' میں اور بچیاں تو اپنے کچھ کپڑے لے کر آئی ہیں' اب یہ دو روز ادھر ہی گزاریں گے۔"

جاذبہ کی چالاکی پر بینا اور ساجدہ کلس کر رہ گئیں۔

☆ ☆ ☆

آنے والے دنوں میں دھماکہ تو ساجدہ پھپھو نے کیا تھا۔ وہ عقیل کے لیے رعنا کا رشتہ چاہ رہی تھیں' جہاں اس خبر نے امی اور تائی امی کو حیران پریشان کیا تھا' وہاں وہ خوف زدہ ہو گئی تھی۔ اسے ان دونوں خواتین سے عجیب سا خوف محسوس ہوتا تھا۔ ان کی موجودگی میں وہ دہشت زدہ رہتی تھی اور عقیل...... اسے سوچ کر ہی جھرجھری سی آ گئی۔

"اگر تایا ابا نے یہ رشتہ قبول کر لیا تو کیا امی یا میں انکار کر سکیں گی؟" مگر ان کے انکار سے پہلے عدیل نے اس رشتے میں ہزار نقص گنوا دیے۔

"میں تو خود بھی حامی نہیں ہوں۔ عقیل کو جانتا ہوں' کوئی پرسنالٹی نہیں ہے اس کی۔ ماں' بہنوں نے دبا کر رکھا ہے اسے۔"

"رعنا تو بڑی ذہین اور پیاری بچی ہے۔ ٹھیک ہے' ساجدہ نے بیٹے کی محبت میں رشتہ مانگ لیا' لیکن ہم اسے قبول نہیں کر سکتے۔"

یہ جواب تایا ابا کا تھا اور اس کے دل سے سارے خوف مٹ گئے تھے۔ جہاں ساجدہ کو انکار سن کر بے حد سبکی کا احساس ہوا تھا۔ وہیں عقیل بھی جواب ہاں میں سننے کا یقین لیے بیٹھا تھا۔

"تم لوگوں نے انکار کر کے اچھا نہیں کیا۔ تم سمجھتی کیا ہو خود کو؟" مسلسل بیل ہونے پر اس نے ریسیور اٹھایا تو اس کی آواز سن کر وہ برس پڑا تھا۔

"ویسے عدیل! ماموں نے رعنا کی بات ساجدہ خالہ کے ہاں نہ کر کے غلطی ہی کی ہے' بے سہارا لڑکی ہے۔ اچھا ٹھکانے لگ جاتی۔" شمع ان کے یہاں آئی ہوئی تھی اور اس نے اپنے کانوں سے اسے عدیل سے یہ کہتے سنا تھا۔

"وہاں تو انکار ہو گیا ہے' تم کہو تو تمہاری بات عقیل سے پکی کروا دیتا ہوں۔"

یہ سن کر وہ غصے کا اظہار کرنے لگی تھی اور عدیل ہنس رہا تھا۔

رعنا دروازے سے ہی پھر پلٹ کر کچن میں آ گئی تھی۔ وہ تب تک لاؤنج میں نہیں گئی' جب تک ان کی باتوں کی آوازیں آتی رہیں۔

☆ ☆ ☆

"رانی! آج شاہی ٹکڑے بناؤ۔ تم بہت مزے کے بناتی ہو۔"

"پلیز! مجھے رانی مت کہا کریں۔ میرا نام رعنا ہے۔ سب مجھے اسی نام سے بلاتے ہیں۔"

"بلانے دو' لیکن میری تو تم رانی ہی ہو۔"

"لیکن مجھے اچھا نہیں لگتا۔" وہ لہجے کو مزید سخت بنا کر بولی تھی۔

"یہ دیکھو۔ میں کیا لایا ہوں تمہارے لیے۔ چھوڑو نا پڑھائی تو ہوتی رہتی ہے' ادھر دیکھو۔" اس نے بے تکلفی

کی انتہا کرتے ہوئے اس کے گال پر ہاتھ رکھا اور چہرہ اپنی جانب موڑ لیا۔ رعنا کے تو تن بدن میں آگ لگ گئی۔

"آپ انہیں لے جائیے اور آئندہ ایسی زحمت مت کیجیے گا۔"

عدیل کے چہرے کا رنگ بدلا تھا۔ وہ اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

"تمہیں میں اچھا نہیں لگتا' شک تو مجھے پہلے بھی تھا۔ آج تم نے یقین دلا دیا' مگر خیر مجھے اس سے فرق نہیں پڑتا کہ تمہیں میں نہیں تو کون اچھا لگتا ہے۔ بس اتنا کافی ہے کہ میں تمہیں اپنانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔"

"میری مرضی کے خلاف ممکن نہیں۔" اندر کی عورت تن کر سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔

"آ۔ اچھا جی!" وہ کھل کر ہنسا تھا۔ رعنا کے تاثرات نہیں بدلے تو ہاتھ اٹھا کر لاپروائی سے بولا۔

"چلو دیکھیں گے اور ہاں یہ ٹاپس میں تمہیں اپنے ہاتھوں سے پہناؤں گا' یاد رکھنا۔"

موبائل کی مخصوص ٹون بجنے لگی تھی۔ عدیل نے جیب سے سیل نکالا' مینا بات کر رہی تھی۔ عدیل کا لہجہ ہی بدل گیا۔

"دیکھو تیار ہونے میں زیادہ دیر نہ لگانا۔"

"او یار تجھے ضرورت ہی نہیں ہے نا لمبے چوڑے میک اپ کی اور سن آج کھانا میری پسند کا ہو گا۔"

"ہاں۔ ہاں ٹھیک ہے آ رہا ہوں بابا!"

"پاگل دس بجے اتنا میک اپ تھوپ لیتی ہے کہ بندریا لگنے لگتی ہے۔" موبائل آف کر کے تبصرہ کرتا وہ باہر نکل گیا تھا۔

"کبھی یہ تین کزنز اور کبھی دوسری بہت سی لڑکیاں کال کر رہی ہیں۔ ملنے کو بے تاب ہیں۔ عورت نے خود کو اتنا ارزاں کیوں کر لیا ہے اور یہ ابھی ابھی کیا کہہ کر گیا ہے۔ میرا خدا! اگر تم میرے حال پر 'تایا ابا کا لاڈلا ہے اور ان کے بہت احسانات ہیں ہم پر' مگر میں خود کو اور کیسے لگا سکتی ہوں۔ ایک بے کردار' خود پسند مرد کے ساتھ زندگی گزارنا تو بذات خود ایک سزا ہے' میں اپنے لیے یہ سزا کیسے تجویز کر لوں۔" وہ سوچ سوچ کر لرز رہی تھی۔



عدیل جان گیا تھا وہ اس سے کترانے لگی ہے اور وہ اب جان بوجھ کر اس کے قریب آتا اور ذومعنی جملہ بول جاتا تھا۔ رعنا خود سے بیزار ہوتی جاتی تھی۔ اسے یہی حل سوجھا کچھ دنوں کے لیے خالہ کے گھر چلی جائے۔ امی سے اجازت لے کر ایاز بھائی کو فون کیا اور بیگ میں ضرورت کی چیزیں اور کپڑے رکھنے لگی۔

اسی وقت عدیل کمرے میں آیا اور آصفہ بیگم کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

"کیا حال ہے چچی! کیا آپ لوگ مجھ سے پردہ کرنے لگے ہیں۔ نظر ہی نہیں آتے۔" وہ اسے جتا رہا تھا۔

"نہیں بیٹا! ہم تو ادھر ہی ہوتے ہیں۔ اسی گھر میں' ہاں البتہ تم گھر میں کم ہی ہوتے ہو۔"

"کہاں کی تیاری ہے؟" اسے بیگ تیار کرتے دیکھا تو پوچھنے لگا۔

"وہ رعنا چند روز کے لیے اپنی خالہ کے ہاں جانے کو کہہ رہی ہے۔"

"کیوں خیریت تو ہے؟" وہ ایکدم سنجیدہ ہو گیا۔

"ہاں ہاں خدا کا فضل ہے۔ بس اس کا دل چاہ رہا تھا وہاں لڑکیاں ہیں نا' اسی لیے دل لگتا ہے اس کا۔"

"او ہاں کالج میں لڑکیوں کے ساتھ ہی گزارا کرتی ہے۔" اس نے ان کی بات کے جواب میں کہا تھا۔

وہ اس کی خفگی کی وجہ بالکل نہیں سمجھیں۔

"چلو' میں ڈراپ کر دیتا ہوں۔" کچھ سوچ کر وہ کہہ رہا تھا۔

"نہیں نہیں۔ میں چلی جاؤں گی۔"

"ہاں بیٹا! ایاز کو فون کیا ہے اس نے' بس آتا ہی ہو گا۔"

عدیل چپ چاپ اٹھ کر کمرے سے چلا گیا۔

"شاید عدیل کو تمہارا آپا کے ہاں جا کر رہنا پسند نہیں۔"

"اور یہ عدیل صاحب جو کچھ کرتے پھرتے ہیں۔ کیا ہماری ناپسند' پسند کو دیکھ کر کرتے ہیں۔ امی جب ہر شخص اپنی زندگی گزارنے میں آزاد ہے تو ہم کیوں نہیں۔"

"کیا بات ہے رعنا! تم کس طرح بول رہی ہو۔ کیا تمہارا عدیل کے ساتھ کوئی جھگڑا ہوا ہے؟"

"مجھے اس کا اپنے معاملے میں ٹانگ اڑانا بالکل پسند نہیں۔ میں کپڑے تبدیل کر لوں۔ ایاز بھائی آتے ہی ہوں گے۔" وہ اس بحث کو سمیٹتے ہوئے کمرے سے نکل گئی مگر ٹھٹک کر رکنا پڑا۔ عدیل گیا نہیں تھا۔ دروازے کے باہر ہی رک گیا تھا۔

"ہونہہ! اچھا اچھا ہے' سب سن لیا ہے۔" وہ آگے بڑھ گئی۔

خالہ کے ہاں ہمیشہ کی طرح کھلے دل سے استقبال کیا گیا۔ رات یہ سب دیر تک جاگتے اور باتیں کرتے رہے۔ آج کل خالہ ایاز بھائی کے لیے لڑکیاں دیکھ رہی تھیں۔ وہ اب جلد ہی ان کی شادی کرنا چاہ رہی تھیں' یہی موضوع گفتگو رہا اور ان کی باتیں سن کر مسکراتے ایاز بھائی اسے بہت اچھے لگے۔ صبح وہ ایاز بھائی کے ساتھ کالج گئی تھی۔ واپسی پر البتہ کہہ دیا تھا کہ اس کی دوست کا گھر ان ہی کی کالونی میں ہے' وہ گاڑی پر آتی ہے۔ لہٰذا وہ بھی اس کے ساتھ آجائے گی۔ لیکن اس کی نوبت ہی نہیں آئی۔ ابھی دوسرا پیریڈ ہی آف ہوا تھا کہ اسے اطلاع ملی' پرنسپل کے آفس میں کوئی اس کا انتظار کر رہا ہے۔ اور آفس میں عدیل کو دیکھ کر وہ حیران رہ گئی۔

"رعنا! آنٹی آصفہ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ تم جلدی سے میرے ساتھ چلو۔"

ماں کی بیماری کا سن کر قدموں تلے سے زمین کھسک گئی۔ اس نے کیسے چھٹی کی اجازت لی' کس طرح عدیل کے ساتھ باہر آکر اس کی گاڑی میں بیٹھی' کچھ پتا نہیں چل رہا تھا۔ سارا دھیان ماں کی طرف تھا۔

"کیا ان کی طبیعت زیادہ خراب ہے؟"

"ہوں!" اس نے مختصراً کہا تھا' حالانکہ یہ اس کی عادت کے خلاف تھا۔ کچھ دیر بعد اسے احساس ہوا وہ گھر کی جانب نہیں جا رہی تو عدیل سے پوچھنے لگی۔

"آنٹی اسپتال میں ہیں؟" اس نے نگاہ سامنے روڈ پر رکھے اور رش ڈرائیونگ کرتے جواب دیا تو وہ رونے لگی۔

"یا اللہ! میری ماں کو کچھ نہ ہو' مالک رحم کر ہمارے حال پر۔" وہ روتی رہی اور چادر سے آنسو پونچھتی رہی۔ عدیل کی غیر معمولی چپ اسے کچھ انہونی کا احساس دلا رہی تھی۔ پھر آبادی ختم ہوئی اور ایسا علاقہ شروع ہوا جہاں تعمیر جاری تھی' یہ کسی نئی آبادی کے آثار تھے۔

ایسی ہی زیر تعمیر ایک عمارت میں جا کر اس نے گاڑی روک دی۔

"یہ تم۔ یہ اسپتال تو نہیں ہے' کہاں لائے ہو مجھے؟" وہ سخت خوف زدہ ہو گئی۔ عدیل نے بازو سے پکڑ کر اسے گاڑی سے اتارا اور بولا۔

"چلانا مت' ویسے بھی تم دیکھ رہی ہو یہاں دور' دور تک چیخ و پکار سننے والا کوئی نہیں ہے۔ چلو جلدی چلو۔"

"نہیں میں نہیں جاؤں گی۔" وہ رونے اور چلانے لگی۔

عدیل نے بازو نہیں چھوڑا' کھینچتا ہوا عمارت کے تعمیر شدہ کمروں میں سے ایک میں لے گیا' یہاں تین اور لڑکوں کو دیکھ کر وہ تو مارے خوف کے رونا اور چلانا ہی بھول گئی۔

"آ گئے ہیں کیا؟" عدیل نے ان سے پوچھا۔

"بس پہنچنے والے ہیں ابھی عاقب کا فون آیا تھا۔" وہ تینوں اٹھ کر باہر نکل گئے۔

"مجھے کیوں لائے ہو؟" سسکنے لگی۔

"اتنی بھولی ہو۔ سمجھ میں نہیں آیا کیوں لایا ہوں؟"

"پلیز رحم کرو میرے حال پر' کیا بگاڑا ہے میں نے تمہارا؟"

"ہاں۔ اتنی سی اکڑ تھی' ارے' جب تم لڑکیاں اتنی سی بات پر پیر پکڑنے کو تیار ہو جاتی ہو تو اتراتی کس بات پر ہو۔ کس برتے پر بڑھ بڑھ کر بول رہی تھیں' کیوں بھولتی ہو اپنی اوقات۔ تم دل بہلاوے کی چیز ہو' مرد کے عیش کے سامان میں سے سب سے اہم سامان' یاد رکھو۔ چور چور کر کے پھینک سکتا ہوں تمہیں۔ اس سر کو ہمیشہ کے لیے جھکا سکتا ہوں' لیکن تسلی رکھو۔ میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ نکاح خواں کو بلوایا ہے۔ آتا ہی ہوگا۔"

"نک... نکاح!" اس نے بڑی دقت سے یہ لفظ ادا کیا۔

"کیوں اعتراض ہے نکاح پر' ویسے ہی راضی ہو؟" وہ خباثت سے ہنسا تھا' پھر بولا۔

"نکاح کر رہا ہوں۔ تمہیں اعتراض تھا نا! تم انکار کا ارادہ لیے بیٹھی تھیں' بس اسی لیے یہ قدم اٹھانا پڑا۔ یہ نکاح خفیہ رہے گا' گھر میں اس کا ذکر نہیں کروں گا۔ یہ تو بس اس لیے کر رہا ہوں کہ تم میری پابند ہو جاؤ۔ انکار نہ کر سکو' باقی جب ابا چاہیں تب کریں گے اور سنو گھر جا کر واویلا کرنے کی کوشش مت کرنا' ثبوت کوئی نہیں ہے تمہارے پاس۔ اگر واویلا کرو گی بھی تو نقصان اپنا ہی کرو گی جو شادی سال ڈیڑھ سال کے بعد ہونا ہے' وہ ابا فوراً کر دیں گے اور اگر انہوں نے نہ بھی کی تو طلاق دینے سے پہلے میں اپنا حق تو ضرور وصول کروں گا۔ تمہیں پتا چل ہی گیا ہوگا۔ میرے لیے کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔"

وہ ماؤف ذہن لیے بیٹھی مسلسل آنسو بہا رہی تھی۔ ذہن بالکل کام نہیں کر رہا تھا۔ کب نکاح ہوا' اس نے

کہاں سائن کیے، کچھ ہوش نہیں تھا۔
"مبارک ہو۔" اس نے مٹھائی کا ٹکڑا زبردستی اس کے منہ میں ڈالا تو اسے ابکائی آ گئی۔
"دل بے ایمان ہو رہا ہے اب تو چیز بھی اپنی ہو، لیکن وقت کا تقاضا کچھ اور ہے، تمہیں کالج کے گیٹ پر اتارنا ہے۔"
وہ اسے تھام کر گاڑی تک لانا چاہتا تھا۔ لیکن اپنی جانب بڑھنے والے اس ہاتھ کو دیکھ کر جیسے اس کی ساری حسیں بیدار ہو گئیں۔ وہ خود اپنی جگہ سے اٹھی اور لرزتی ٹانگوں کے ساتھ گاڑی میں آ بیٹھی۔ یہاں سے کالج تک کا فاصلہ اور کالج سے گھر تک کا فاصلہ، دل پر جو بیت رہی تھی وہی جانتی تھی، جی چاہتا تھا چیخ چیخ کر روئے اور لوگوں کو بتائے اس کے ساتھ کیا ہوا ہے، لیکن وہ جانتی تھی عدیل جیسا شخص اگر مکر گیا تو پھر اس کی زندگی کیا ہو گی۔ وہ تو اس نکاح کا کوئی ثبوت اپنے پاس نہیں رکھتی۔ اس کے حق میں بہتر ہوا کہ روحی اور انیلہ بازار گئی ہوئی تھیں۔ خالہ کچن میں تھیں۔ ایاز بھائی تو آفس سے چار، پانچ بجے کے قریب ہی لوٹتے تھے۔ تکیے میں منہ چھپا کر وہ خوب روئی اور ساری چیخیں اسی میں دفن کر دیں۔ وہ ماں کے پاس جانا چاہتی تھی۔ لیکن یہ خیال کہ وہاں وہ بھی موجود ہو گا اس کے پاؤں میں زنجیر ڈال دیتا تھا۔ اس پر کپکپی طاری ہونے لگی اور کچھ دیر بعد تیز بخار نے آ لیا۔ ایاز پڑوس میں رہنے والے ڈاکٹر صاحب کو بلا لایا۔ انہوں نے دوا لکھ کر دی۔ رات دس بجے تک اس کا بخار خاصا کم ہو چکا تھا۔ لیکن وہ بری طرح نڈھال دکھائی دیتی تھی۔
گیٹ کی بیل بج رہی تھی، اس وقت وہ سب اسی کے گرد جمع تھے اور اسے کچھ نہ کچھ کھا لینے کے کہہ رہے تھے، ایاز گیٹ پر گیا۔ واپسی پر عدیل بھی ساتھ تھا۔ وہ سب تو تپاک سے ملے، لیکن رعنا کو لگا اس پر ایک بار پھر کپکپی طاری ہونے لگی ہے۔
"چلو میں تمہیں لینے آیا ہوں۔"
"اسے بہت تیز بخار رہا ہے۔ آج کا دن ریسٹ کرنے دو کل ایاز چھوڑ آئے گا۔" خالہ سمجھا رہی تھیں۔
"نہیں اسے آج ہی جانا ہے۔ مجھے ابا نے بھیجا ہے۔"
"میں تایا ابا سے خود بات کر لیتی ہوں، انہیں بتا دیتی ہوں کہ ابھی میں آنا نہیں چاہ رہی۔" اس کے جھوٹ پر وہ خاموش نہیں رہ سکی۔
"اچھا!" عدیل نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کچھ جتایا تھا۔
"ہاں۔ میں کل ہی آؤں گی۔" اس کا لہجہ اٹل تھا۔
عدیل کچھ دیر بیٹھا۔ خالہ چائے اور کھانے کے لیے کہتی رہیں، لیکن وہ نہیں مانا، یہاں سے جانے کے بعد اس نے رعنا کو فون کیا تھا۔
"تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ میری بات مانتی رہو، ورنہ تم پھر مجھے تو جانتی ہو، ہاں میں یہ وعدہ کرتا ہوں، اگر تم میری بات مانتی رہیں تو میں رخصتی تک انتظار کروں گا، کل آؤں گا تمہیں لینے کے لیے۔ تیار رہنا اور یہ بھی سن لو، مجھے تمہارا ان رشتے داروں کے گھر جا کر رہنا بالکل پسند نہیں ہے۔ آئندہ اس سلسلے میں بھی احتیاط رکھنا۔"
نفرت تو لہو بن کر اس کے جسم میں دوڑ رہی تھی اور اب ایک اور جذبے نے بھی سر اٹھایا تھا۔
"میں دیکھتی ہوں عدیل صاحب! کہاں تک جاتے ہو تم، عورت کو مرد کی عیاشی کے لیے پیدا کی گئی حقیر ہستی کہا تھا نا! تم نے تو بس یہ میرا عہد ہے۔ یہ حقیر ہستی تمہیں چین سے جینے نہیں دے گی، اپنے لیے دیکھے میرے تمام خواب تم نے جلا کر راکھ کر دیے ہیں تو اب میری زندگی کا مقصد تمہیں بھی خوشیوں سے محروم کر دینا ہی ہو گا۔" وہ خود سے عہد باندھ رہی تھیں۔



اگلے روز وہ چلنے کے لیے تیار ہو گئی۔
"اتنی جلدی کیا پڑ گئی ہے؟" خالہ نے شکوہ کیا۔
"اب انیلا باجی اور روحی آپی تو پڑھانے کے اسکول جائیں گی۔ ایاز بھائی اپنے آفس، آج خالو جان گھر پر ہیں، میں تو کمرے سے نکلتے ہوئے بھی ڈروں گی۔ بہتر ہے ابھی چلی جاؤں۔"
بات معقول تھی۔ واقعی خالو کا رویہ اس کے ساتھ بہت سرد ہوتا تھا۔ سو ایاز اسے باہر ہی سے ڈراپ کر کے چلا گیا۔
وہ سیدھی اپنے پورشن میں آئی، دونوں بہن بھائی اسکول جا چکے تھے، امی سے کہہ دیا۔
"میری آمد کی اطلاع فی الحال کسی کو نہ دیں۔ ناشتہ میں کر کے آئی ہوں، طبیعت کچھ ٹھیک نہیں، سونا چاہتی ہوں۔"
"تایا ابا کو سلام تو کر آؤ۔"

"شام کو مل لوں گی، سر میں بہت درد ہے۔" وہ اپنے کمرے میں جا کر دروازہ لاک کر کے لیٹ گئی۔

دوپہر میں جب عدیل گھر آیا۔ وہ کچن میں تھی۔ اس کی آواز سن کر وہ لاؤنج میں چلی آئی کہ اسے تنہائی کا موقع نہیں دینا چاہتی تھی۔

"روٹی بن گئی ہے بیٹا تو کھانا لگا دو۔"

"جی اچھا امی!" وہ کہہ کے بھی بیٹھی رہی، جب عدیل چینج کرنے اپنے کمرے میں گیا تب اس نے کھانا میز پر لگایا۔ عدیل نے سب سے نظر بچا کر اسے دو تین بار گھور کر دیکھا، لیکن وہ نظر انداز کر کے کھانا کھاتی رہی، لیکن جیسے ہی تایا ابا ٹیبل سے اٹھے وہ ضبط نہیں کر سکا۔

"میں نے کہا تھا تم سے کہ میں پک کروں گا، پھر کیوں چلیں آئیں؟"

"میں بھول گئی تھی۔" اس نے آرام سے کہا۔

"کیا؟ بھول گئی تھیں تم؟" وہ خاصا اونچا بول گیا تو شاہدہ اور آصفہ حیرت سے اس کی جانب دیکھنے لگیں۔

"جواب دو میری بات کا۔" اسے آرام سے کھانا کھاتے دیکھ کر اس کا ضبط جواب دے رہا تھا۔

"کہا تو ہے، بھول گئی تھی۔"

"کیوں بھوسا بھرا ہوا ہے سر میں؟"

"کیا ہوا عدیل! تم ایسے کیوں بات کر رہے ہو؟" شاہدہ بیگم خاموش نہیں رہ سکیں۔

وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا، کھانا بھی نہیں کھایا۔

"تم بتاؤ، بات کیا ہوئی ہے؟" دونوں اس سے پوچھنے لگیں۔

"یہ ہر کسی کو اپنا ملازم سمجھتے ہیں، ملازم بھی کیا بلکہ نچلے درجے کی مخلوق خیال کرتے ہیں۔ یہ ٹھیک ہے تایا ابا کے ہم پر بہت احسان ہیں۔ ان کی ہر بات ماننا ان کے ہر حکم پر سر جھکانا ہمارا فرض بنتا ہے۔"

"ارے یہ تم کیسی باتیں کر رہی ہو رعنا! علیم تمہیں اتنا ہی چاہتے ہیں جتنا کہ سگی بیٹی کو چاہا جا سکتا ہے۔ میں علیم سے بات کرتی ہوں۔ تم اس طرح مت سوچو، دراصل عدیل کا دماغ اس کی پھپھیوں اور ان کی بیٹیوں نے خراب کر رکھا ہے۔"

اور شاہدہ بیگم نے واقعی عدیل کی شکایت علیم صاحب سے لگا دی۔ شام کی چائے پر اس کی پیشی تھی اور سب کے سامنے تایا ابا نے اسے سخت سست سنائی تھیں، آخر میں کہا تھا۔

"آئندہ کبھی رعنا سے اونچی آواز میں بات بھی نہ کرنا۔"

"ابا! آپ اسے منع نہیں کرتے ہیں جو..."

"میں نے جو کہنا تھا کہہ دیا، یاد رکھو۔ یہ شمع، رشنا یا مینا نہیں ہے۔ ان تینوں کو ماؤں نے بے جا آزادی دے کر بگاڑ رکھا ہے۔ رعنا میری بیٹی ہے۔"

رشنا اور شمع واقعی ماں، باپ کی آزادی کا ناجائز فائدہ اٹھا رہی تھیں۔ غیر ملکی فلموں نے ان کے مزاج پر گہرا اثر چھوڑا تھا اور اب انہیں اپنی بہت سی روایات معیوب دکھائی دیتی تھیں ان کے نزدیک زندگی کا مزہ ملنے گلنے اور موج مستی میں تھا۔ لباس سے لے کر کھانا پینا، بول چال سب بدلی تھا۔ مینا پر بھائیوں کی طرف سے کچھ پابندی تھی، اس لیے وہ ان کے مقابلے میں تھوڑی پیچھے تھی جس کا اسے بے حد قلق تھا اور وہ ان دونوں سے خار کھاتی تھی۔



عدیل کے معمولات اب بھی وہی تھے ہاں اب دن کے اوقات میں اس کا وقت باپ کے آفس میں گزرنے لگا تھا کہ یہ ان کی ہدایت تھی، مگر وہ دو بجے کے قریب وہاں سے نکل آتا تھا اور پھر رات تک اس کے پاس وقت ہی وقت ہوتا تھا۔

جو کچھ اس نے رعنا کے ساتھ کیا۔ اس کے بعد رعنا کو زندگی بے مقصد لگنے لگی تھی، بہت دنوں تک وہ کتابوں کی طرف ہاتھ نہیں بڑھا سکی۔ اس کے دماغ میں ایک فلم سی چلتی رہتی تھی اور ہر سوچ انتقام پر جا کر ختم ہوتی تھی۔ کبھی عدیل کو زہر دینے کا خیال آتا تو کبھی کسی اور طریقے سے اسے تکلیف میں مبتلا کرنے کا سوچتی۔

ایک ہی بات بار بار سوچتے آخر وہ اس نتیجے پر پہنچی کہ زندگی ختم نہیں ہوئی۔ اسے اس کے ساتھ نہیں رہنا۔ اپنے پیروں پر کھڑا ہونا ہے اور اس کے لیے تعلیم بہت ضروری ہے لہٰذا وہ ایک بار پھر پڑھائی کی طرف متوجہ ہو گئی۔

ان ہی دنوں یہ خوش خبری ملی کہ عدیل کو تایا ابا اسلام آباد بھیج رہے ہیں، وہ نئی برانچ کھول رہے تھے اور اس کی نگرانی کے لیے اسے اب اسلام آباد رہنا ہوگا۔ کتنا اچھا

ہو گیا تھا' ورنہ اس کی موجودگی میں دم گھٹتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ اس نے طمانیت سے سوچا تھا۔

اس کی تینوں کزنز اور اس شہر میں رہنے والی انہی جیسی اس کی دوست لڑکیاں بے حد اداس تھیں۔

رات گیارہ بجے دونوں بہن بھائی سو چکے تھے امی بھی یقیناً اپنے کمرے میں سو رہی تھیں' جبکہ وہ نوٹس تیار کرنے میں لگی تھی' اسے پتا ہی نہیں چلا وہ کب کمرے میں آیا اور بہت قریب آکر ہاتھ اس کی گردن پر رکھ دیا' رعنا ڈر کر اچھل پڑی۔

"تمہیں ڈرنا ہی چاہیے کہ یہ میں ہوں۔" وہ اب سامنے آگیا۔ اور رعنا کا دل اچھل کر حلق میں آگیا' آج وہ کیسے اور کیوں دروازہ لاک کرنا بھول گئی۔ حالانکہ بہت محتاط رہنے لگی تھی۔

"جا رہا ہوں' لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ من مانیاں شروع کردو' اور یہ زیادہ پڑھائی وڑھائی کی بھی ضرورت نہیں۔ میں نے تم سے نوکری تھوڑا ہی کروانی ہے۔"

اس نے گھبراہٹ میں کھڑی ہو جانے والی رعنا کی کمر میں ہاتھ ڈال دیا۔

"یہ کیا کر رہے ہو' چھوڑو مجھے۔" خوف سے اس کی آواز بند ہونے کو تھی۔

"بیوی ہو میری۔ کچھ بھی کر سکتا ہوں۔" وہ مسکرایا تھا۔

رعنا نے نفرت سے منہ پھیر لیا۔ "کبھی مسکرا کر پیار سے بھی دیکھ لیا کرو' ترس گیا ہوں تمہاری آنکھوں میں اپنا عکس دیکھنے کے لیے۔ دیکھو' جو کچھ بھی کیا اسی لیے کیا ہے تاکہ تم مجھے اچھی لگتی ہو۔ مجھے ڈر تھا کہیں چچی تمہیں اپنے بھانجے ایاز سے منسوب نہ کردیں کہ یقیناً تمہاری بھی یہی خواہش تھی۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں۔ تم میرے ساتھ خوش رہوگی۔ وہ ایاز بھلا کیا دے سکتا ہے تمہیں۔"

(اس نے اسے ایاز سے متعلق غلط فہمی سے نکالنا ضروری نہیں سمجھا۔) "ارے خوش قسمت ہو جو میری بیوی بن گئی ہو' پتا ہے' آدھے شہر کی لڑکیاں مرتی ہیں مجھ پر۔"

(توبہ ابھی اس شہر پر ایسا بھی عذاب نہیں آیا۔ ہاں چند بے راہ رو ضرور ٹائم پاس کرتی ہیں۔) وہ صرف سوچ سکتی تھی بولنے کی سکت نہیں تھی اس میں۔

"آؤ نا۔" اس نے قریب کرنا چاہا۔

"امی' امی۔" رعنا چلانے لگی۔ کہاں تو آواز نہیں نکل رہی تھی اور کہاں اب اس کا چلانا رات کے سناٹے کو چیر گیا تھا۔

جب آصفہ کمرے میں آئیں تو وہ کرسی پر بیٹھی کانپ رہی تھی۔ دونوں چھوٹے بچے سو رہے تھے۔ اور کمرے میں کوئی نہیں تھا۔

"کیا ہوا رعنا! اتنے زور سے کیوں چلائی تھیں؟"

"کک کچھ نہیں امی! بس یہیں بیٹھے بیٹھے سو گئی تھی اور پھر میں ڈر گئی۔"

"اف جان نکال دی میری تو تم نے' اٹھو بستر پر جا کر لیٹو' دن میں بھی آرام نہیں کرتیں' اسی لیے بیٹھے بیٹھے سو گئی اور کوئی الٹا سیدھا خواب دیکھ لیا ہوگا۔"

"آہ کاش یہ خواب ہی ہوتا۔" امی چلی گئیں اس نے دروازہ لاک کر لیا' لیکن نیند دیر تک نہیں آئی تھی۔



اس کے اسلام آباد جانے کے بعد وہ کچھ سنبھل گئی تھی' گھر میں رہتے ہوئے جو احساس اس کی موجودگی میں چھایا رہتا تھا۔ ایسا نہیں تھا' لیکن انہی دنوں ساجدہ پھپھو نے وحید کے لیے اس کا رشتہ مانگ کر اسے پھر سے بے چین کر دیا۔ خبر اسلام آباد میں عدیل کو بھی پہنچ گئی تھی۔

اس نے شاہدہ بیگم سے کہا تھا ابا سے رعنا کے لیے بات کریں۔ شاہدہ بیگم کو یہ سن کر بہت خوشی ہوئی تھی۔ وہ تو سمجھتی تھیں' عدیل ساجدہ یا جاذبہ میں سے کسی کی لڑکی کو پسند کرلے گا۔ انہوں نے بڑے جوش کے عالم میں علیم سے بات کی تھی اور کہا تھا۔ "یہ عدیل کی مرضی بھی ہے۔"

"عدیل نے رعنا کو پسند کرکے سمجھداری کا ثبوت دیا ہے' لیکن میں سمجھتا ہوں وہ رعنا کے لیے مناسب نہیں۔ مجھے رعنا کا باپ بن کر بھی تو سوچنا ہے اور جب میں ایسا سوچتا ہوں تو عدیل مجھے مناسب نہیں لگتا۔"

جب اگلے ہی روز اس کا فون آنے پر شاہدہ نے اسے یہ بات بتائی تو اس نے کہا۔

"آپ ابا سے کہیں وہ رعنا اور چچی سے پوچھ لیں' اگر انہیں اعتراض نہیں تو پھر ابا کو بھی اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔"

"وہ پہلے ہی کہہ رہے تھے کہ آصفہ بے چاری تو بھی

انکار نہیں کرے گی' لیکن میں یتیم بچی پر ظلم نہیں کر سکتا۔

"اوہو' یہ ابا بھی نا! کیا انہیں میری خوشی کا خیال نہیں؟" وہ جھنجلا رہا تھا۔

"تم خود اپنے ابا سے بات کرلو' شاید تم انہیں اطمینان دلا سکو' اصل میں انہیں تمہارا بھروسہ نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے میں خود بات کرلوں گا۔" اس نے رکھائی سے کہہ کر فون بند کردیا اور دو روز بعد وہ گھر میں بیٹھا تھا۔

"ابا تم سے بات کریں تو تمہارے لیے ہاں میں جواب دینا ہی بہتر ہے۔ دوسری صورت میں' میں بڑی سے بڑی قسم کھالوں گا مگر یہ نہیں مانوں گا کہ تم سے نکاح کیا ہے' لیکن تمہیں کبھی چھوڑوں گا نہیں۔"

"میں نے کیا بگاڑا ہے تمہارا؟"

"بہرحال ابا تمہاری مرضی پوچھیں تو جواب ہاں میں دینا اور جواب نہ میں ہونے کی صورت میں تیار رہنا میں ہوٹل میں کمرہ بک کروالوں گا۔"

وہ اندر سے کانپ گئی۔ عدیل معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ اس کے قریب آبیٹھا۔ اسی وقت آصفہ بیگم کمرے میں داخل ہوئیں اور ان دونوں کو اتنے قریب بیٹھے دیکھ کر ٹھٹک گئیں۔

"چچی! ہم دونوں پسند کرتے ہیں ایک دوسرے کو۔ ابا رشتہ ڈالیں گے' پلیز ہماری خوشیوں کا خیال کیجیے گا۔"

وہ چپ رہیں اور رعنا کو ماں کی چپ بری طرح گھائل کر گئی۔

"کیا اس میں تمہاری مرضی بھی شامل ہے؟" امی نے اسے حیرت سے دیکھا تھا۔

"امی! یہ صرف عدیل کی خواہش ہے۔" ماں کے سوال پر وہ گڑبڑائی' پھر بولی۔ "میرا خیال ہے' اس میں ہرج بھی نہیں ہے۔"

"ہاں ویسے تو عدیل اچھا ہے' لیکن آزاد خیال ہے۔ بہت سی لڑکیوں سے اس کی دوستی ہے۔ شادی کے بعد بھی دوستی نہ چھوڑی تو تمہارے لیے مشکل ہوگی۔"

"وہ کہتا ہے سب چھوڑ دوں گا اور پھر تایا ابا بھی تو ہیں نا۔ وہ اسے ایسا نہیں کرنے دیں گے۔"

"ہاں بھائی صاحب کی طرف سے تو مجھے مکمل اطمینان ہے۔" اور اسی اعتماد کے سہارے جب تایا ابا نے رعنا کا رشتہ مانگا تو آصفہ بیگم نے ہاں کردی۔ جیسے ہی اس رشتے کی خبر ساجدہ اور جاذب تک پہنچی انہیں پہلے تو یقین ہی نہیں آیا' پھر یہی سوچا ضرور علیم نے زبردستی کی ہوگی۔

شمع نے جس وقت عدیل کو فون کیا۔ وہ لاؤنج میں بیٹھا چائے پی رہا تھا اور رعنا بھی ملازمہ کے سر پر موجود صفائی کروا رہی تھی۔

"ارے ہاں بھئی رشتہ پکا ہوا ہے' گھبراتی کیوں ہو' وہ پرانے زمانے کی باتیں نہیں کہ بیوی زندگی کی ساتھی ہے' یہ تو وہ ہے۔ اب تو ساری اہمیت محبوبہ کی ہوتی ہے' گھر میں سمجھو ایک مشین لا رہا ہوں' جو میرے لیے وقت پر کھانا بنا سکتی ہے' میرے کپڑوں کا خیال رکھ سکتی ہے' میرے پاؤں دبا سکتی ہے اور بچے پیدا کرسکتی ہے۔ (قہقہہ) ارے جانو تمہاری جگہ کون لے سکتا ہے۔ بیوی تو سمجھو وہ عورت ہوتی ہے جس کی جانب دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا جاتا' تھکن کی ماری' ذمہ داریاں نبھاتے ہوئے اپنا آپ بھلا دینے والی عورت۔ میں تو سمجھتا ہوں کوئی بھی مرد بیوی کی کمپنی کو پسند نہیں کرتا اور میرے جیسا مرد تھکی ہاری عورت کو پسند نہیں کرتا۔"

رعنا کو اس کی باتوں نے ہراساں نہیں کیا۔ وہ اداسیوں میں نہیں گھری' بلکہ اس کے اندر سلگنے والی آگ کو ہوا ملی تھی اور وہ بھڑکنے لگی تھی۔ اس کا جی چاہا دوسری طرف جو بھی عورت ہے جاکر اس کا بھی منہ نوچ لے جو عورت کو ذلیل کرواکر بھی سر اٹھاکر بیٹھی تھی اور ذلیل کرنے والے کے پیچھے مری جارہی تھی۔

"شمع بھی بے چاری' رو رہی ہے' کہو تو اس سے بھی نکاح کرلوں۔ اسلام میں چار کی اجازت ہے۔"

"ہاں ٹھیک ہے بلکہ میں خود تایا ابا سے بات کرتی ہوں۔ پہلے تم اسے گھر لے آؤ۔ میں تو پڑھ رہی ہوں اور مجھے تو کوئی خواہش بھی نہیں ہے۔ اچھا ہے کچھ دیر کے لیے ناپسندیدہ زندگی ٹل جائے گی۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" وہ بوکھلایا۔

"وہی تو کہہ رہی ہوں خود تایا ابا سے بات کرکے انہیں قائل کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔ تمہاری تو ایسی بات وہ نہیں مانیں گے۔"

"یہ تم مجھے تم تم کیوں کرتی رہتی ہو آپ کہہ کر بلایا کرو اور کوئی ضرورت نہیں ہے تمہیں ابا سے اس قسم کی بات کرنے کی۔"

"میں تم سے شدید نفرت کرتی ہوں' بے کردار لوگ

میرے خیال میں کسی عزت کے مستحق نہیں ہوتے۔"

ملازمہ کام چھوڑ کر انہیں دیکھنے لگی تو وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔



آصفہ اور شاہدہ شادی کی تیاریوں میں لگ گئی تھیں۔ جبکہ اسے سوائے اپنی پڑھائی کے اور کسی چیز کی ہوش بظاہر نہیں تھا۔ شادی سے ایک ہفتہ قبل عدیل اسلام آباد سے آگیا' اس نے دونوں پھپھیوں کو بھی ادھر آجانے کو کہا' جازبہ کو غصہ زیادہ تھا کہ وہ تو عدیل کو اپنا داماد تسلیم کیے بیٹھی تھیں' وہ نہیں آئیں۔ ساجدہ نے سوچا' بھائی سے بگاڑ مناسب نہیں' عدیل تو ہاتھ سے نکل ہی چکا ہے' باقی کے فوائد تو اپنی جگہ موجود ہی ہیں وہ اور ان کے بچے آگئے تھے۔ آصفہ نے اپنی بہن اور بچوں سے بھی پہلے ہی آجانے کو کہا تھا۔ مہندی سے ایک روز پہلے روحی اور انیلہ بھی آگئیں تھیں۔

دلہن بن کر اس پر بہت روپ آیا تھا جس نے دیکھا سراہا تھا۔

"دیکھو رعنا! تم کتنی پیاری لگ رہی ہو۔" انیلہ نے اسے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے لا کھڑا کیا تھا' خود کو دیکھ کر وہ ہول اٹھی۔ "کس کے لیے ہے یہ سب کچھ۔ مجھے کس کے لیے سنوارا گیا ہے۔" وہ بے اختیار رونے لگی۔

"پاگل ہوئی ہو۔ میک اپ بہہ جائے گا' سب بگڑ جائے گا۔" لیکن وہ روتی رہی۔

"پلیز مجھے اکیلا چھوڑ دو' میرے سر میں شدید درد ہے۔" ان سب کے جاتے ہی وہ تیزی سے اٹھی' الماری سے نیند کی ایک گولی نکال کر پرس میں رکھ لی۔

کچھ دیر کے بعد رخصتی کا شور اٹھا' اسے رخصت ہو کر کہیں دور نہیں جانا تھا فرسٹ فلور پر عدیل کے کمرے میں ہی جانا تھا اور اس کے قدم من من بھر کے ہو رہے تھے۔ عدیل ہوٹل میں کمرہ بک کروا رہا تھا۔ لیکن اس نے شاہدہ بیگم سے کہہ دیا تھا۔ وہ ہوٹل نہیں جائے گی۔

رات کے گیارہ بجے اسے عدیل کے کمرے میں لا کر بٹھایا گیا۔

"پانی تو ہے نا!" اس نے بیڈ پر بیٹھتے ہی پوچھا تھا۔

"ہاں ہاں' یہ رکھا ہے۔ ڈال کر دوں۔" رشتے کی ایک آنٹی کہہ رہی تھیں اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔ لڑکیاں تقریباً" آدھ گھنٹے تک موجود رہیں' عدیل کو دوستوں نے گھیر رکھا ہے۔ لڑکیوں نے کمرہ خالی کیا تو اس نے پرس کھول کر ایک پرچہ نکال کر اپنے تکیے کے قریب رکھا' پھر چند گولیاں نکال کر پانی سے نگل لیں' لباس تبدیل کیا اور بیڈ پر آکر لیٹ گئی۔

جس وقت فتح کے نشے میں چور وہ کمرے میں داخل ہوا تو وہاں اس کے لیے سجی بنی کوئی عورت موجود نہیں تھی' بلکہ اپنی تذلیل پر انتقام بن کر کھولتا وجود سو رہا تھا۔ اس نے بلیک کلر کا سادہ سا سوٹ پہن رکھا تھا۔ میک اپ سے بے نیاز چہرہ کمبل میں چھپائے وہ اتنی گہری نیند میں تھی کہ عدیل کے جھٹکے سے کمبل کھینچنے پر بھی نہیں اٹھی۔ کسی انہونی کے احساس سے عدیل کی پیشانی تر ہوئی۔ اس کی ناک کے آگے ہتھیلی کی سانس معمول کے مطابق تھی اور پھر نظر تکیے کے برابر پڑے پرچے پر گئی' لکھا تھا۔

"گھبراؤ نہیں خودکشی نہیں کر رہی' بس آج کی رات کے لیے نیند کی گولی کھائی ہے۔" عدیل نے زیر لب اسے گندی گالی دے ڈالی' پھر جھنجھوڑنے لگا۔ لیکن بے فائدہ رہا۔ اس نے کبھی نیند کی دوا استعمال نہیں کی تھی' اسی لیے چند گولیوں نے ہی بے سدھ کر دیا تھا۔



اسے عدیل سے اس شدت پسندی اور اجڈپن کی امید نہیں تھی۔ رات کا بدلہ جس طرح صبح اس نے لیا۔ رعنا کی روح کانپ اٹھی اور جی میں آئی ایسی زندگی سے تو موت بہتر ہے۔ وہ اس کے سامنے رونا نہیں چاہتی تھی' لیکن بے اختیار تھی اور ہچکیوں کے ساتھ رو دی تھی۔

"آئندہ میرے مقابل آنے کے بارے میں کبھی خواب میں بھی مت سوچنا۔" بالوں سے پکڑ کر اس کا سر پیچھے کیا تھا اور چہرے پر اتنی زور کا طمانچہ مارا تھا کہ کچھ دیر تک تو اسے لگا اس کی بینائی ختم ہو گئی ہے۔

"یہ خیال دل سے نکال دو کہ کبھی مجھ سے چھٹکارا پالو گی' جو چیز ایک بار میری ہو جاتی ہے پھر وہ میری ہی رہتی ہے' دل بھر جائے تو اسے توڑ دیا کرتا ہوں' لیکن کسی کو دینا پسند نہیں کرتا۔"

اسے جتا کر وہ واش روم میں گھس گیا۔ فریش ہو کر نکلا تو وہ ابھی تک رو رہی تھی' بیڈ سے ذرا فاصلے پر رک کر عدیل نے اس کے جھٹکے لیتے جسم کو دیکھا' سسکیوں کو سنا۔

"اب یہ رونا دھونا بند کرو۔ اٹھ کر فریش ہو جاؤ' ابھی ناشتہ لے کر کوئی آجائے گا۔"

رعنا تیزی سے بیڈ سے اتری اور واش روم میں گھس گئی' یہاں نیلے رنگ کا جوڑا جس پر سلور کام تھا' ہینگ کیا ہوا تھا۔ اتنا بھاری کام وہ واپس پلٹی الماری کھول کر ایک سادہ سا سوٹ نکال لیا۔

نہا کر نکلی تو شاہدہ بیگم ناشتے کے ساتھ موجود تھیں۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھیں اور بڑے اشتیاق سے اس کی جانب بڑھیں' لیکن قریب آتے آتے ٹھٹک گئیں' دلہنوں والا کوئی روپ اس کے چہرے پر نہ تھا' بجھی بجھی آنکھیں اور پریشان چہرہ۔

"تم ٹھیک تو ہو نا رعنا؟"

"رات سے اس کے سر میں درد ہے۔" جواب عدیل نے دیا تھا۔

"اوہو' آکر مجھ سے ٹیبلیٹ ہی لے جاتے۔"

اس بات کا عدیل نے جواب نہیں دیا' اسے ناشتے کے لیے بلانے لگا۔ وہ اس کے سامنے جا بیٹھی' جونہی شاہدہ بیگم کمرے سے نکلیں وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور جا کر بیڈ پر بیٹھ گئی۔

"اب کیا مسئلہ ہے' ناشتہ تو کرلو۔"

"میں تمہارے ساتھ کھانا نہیں کھا سکتی' مجھے تم سے گھن آتی ہے۔" عدیل نے دانت پیس کر زیر لب کچھ کہا' پھر ناشتہ کرنے لگا۔ جونہی وہ ناشتہ ختم کرکے اٹھا' رعنا آ بیٹھی اور دل جمعی سے ناشتہ کرنے لگی۔



ولیمہ کا فنکشن بہت بھرپور تھا۔ اس کو شہر کے مشہور پارلر سے تیار کروایا گیا اور جب وہ اسٹیج پر آئی تو سب ہی نے سراہا۔ عدیل اس وقت ایک بے حد ماڈرن سی لڑکی کے ساتھ سامنے ہی کھڑا تھا۔ لڑکی نے اس کی جانب دیکھ کر کچھ کہا' جواب میں عدیل نے بھی کچھ کہہ کر آنکھ ماری تھی اور دونوں ہنس پڑے تھے' پھر وہ دونوں اسٹیج پر آکر اس کے دائیں بائیں بیٹھ گئے۔

"ہیلو میرا نام زری ہے۔ یہ ہانگڈ بڑی تعریف کر رہا ہے تمہاری۔"

رعنا نے جواب دینا ضروری نہیں سمجھا۔ وہ نظر جھکا کر نہیں بیٹھی تھی' سر اٹھا کر بڑی ہی بے نیازی سے دیکھ رہی تھی۔

"عدیل! تم تو کہتے تھے بڑی معصوم' بڑی سادہ سی دلہن ہے میری۔" اس کی بے نیازی پر وہ خاموش نہیں رہ سکی۔

"بس راتوں رات کایا پلٹ گئی ہے اس کی۔"

"ہاں بھئی' اب یہ تمہاری جو بنادی گئی ہے۔"

"ایکسکیوز می بھلا ان میں ایسی کون سی خوبی ہے جو میں اتراؤں گی۔" وہ چبا چبا کر بولی تھی۔

زری پہلے تو ٹھٹکی' مگر بہت تیز اور بے باک لڑکی تھی۔ مصنوعی حیرت سے بولی۔

"ارے آپ کو ابھی تک اندازہ نہیں ہوا' حیرت ہے۔" اور قہقہہ لگا کر ہنس پڑی۔

"آپ اپنی باتیں ذرا سائیڈ پر جا کر لیں' یہاں مجھ سے ملنے اور لوگ بھی آنا چاہتے ہیں۔"

زری کی معنی خیز گفتگو اسے کوفت میں مبتلا کر رہی تھی۔

"ہمیں کہاں بیٹھنا ہے' کہاں نہیں بیٹھنا' خوب جانتے ہیں۔ تمہیں مشورہ دینے کی ضرورت نہیں ہے۔" عدیل نے بھڑک کر کہا۔

"جانے دو عدیل! ابھی بے چاری نہیں جانتی کہ تمہاری لائف میں میری کیا حیثیت ہے۔" زری نے اسے جتاتے ہوئے عدیل کے بازو پر ہاتھ رکھ کر کہا تھا۔

"او کے پھر میں ہی چلی جاتی ہوں۔"

وہ تیزی سے اٹھی اور ان کی سمجھ میں کچھ آنے سے پہلے اسٹیج سے اتر کر سامنے کرسیوں میں سے ایک کرسی پر جا بیٹھی اور عدیل کی قسمت علیم الدین اس وقت ادھر قریب ہی کھڑے تھے' جب وہ تیزی سے اسٹیج سے اتر کر نیچے آ بیٹھی تو وہ فوراً اس کی جانب لپکے۔

"کیا ہوا رعنا بیٹی! تم ادھر کیوں آگئیں؟"

"وہاں عدیل ان صاحبہ کو بٹھانا چاہتا ہے۔" اس نے اونچی آواز میں کہنے کے ساتھ اشارہ بھی کیا۔

علیم الدین صاحب کے کتنے ہی ملنے والے دور و نزدیک کے رشتہ دار سب ہی موجود تھے۔ ایسی بات پر تھوڑی شرمندگی ہوئی' غصہ زیادہ آیا' اس سے پہلے کہ جا کر عدیل کو کچھ کہتے' صورت حال دیکھ کر وہ خود ہی چلا آیا اور بولا۔

"ابا! وہ تو بس میری ایک پرانی کلاس فیلو اور دوست ہے۔ پتا نہیں رعنا کیوں اس طرح سوچ رہی ہے۔"

"تم یاد رکھنا عدیل! جو جگہ میں نے رعنا کو دی ہے۔ اس پر کوئی دوسری عورت نہیں بیٹھ سکتی۔" آواز آہستہ لیکن

انداز اٹل تھا۔ عدیل نے زور و شور سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

وہ ایک بار پھر اسٹیج پر بٹھا دی گئی اور زری کو اٹھنا پڑا۔

رعنا کا خیال تھا عدیل برابر میں بیٹھ کر پھر کوئی چوٹ کرے گا' لیکن وہ بیٹھا مسکراتا رہا اور اسے اندازہ ہوا' تایا ابا کے حکم سے سرتابی بھی نہیں کر سکتا۔

کچھ دیر کے بعد دونوں کے لیے کھانا اسٹیج پر لگا دیا گیا۔ رعنا نے کھانے کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔

گھر آ کر وہ لاؤنج میں ہی بیٹھ گئی اور روحی سے کھانا لانے کو کہا۔

"اوپر کمرے میں لے چلیں۔" عدیل نے کھانا لاتی روحی سے کہا۔ لیکن رعنا نے کہا۔ "میں کھانا نہیں کھاؤں گی۔"

وہ اوپر اپنے کمرے میں چلا گیا' چینج کر کے اس کا انتظار کرنے لگا۔ ایک گھنٹہ بیتنے کو تھا۔ تھکن شدید تھی' بار بار جھونک بھی آ رہی تھی۔ غصہ بھی' لیکن وہ نہیں آ رہی تھی یہاں تک کہ عدیل نیند کی وادی میں اتر گیا۔

صبح عدیل کا موڈ سخت خراب تھا' اس نے صوفے پر رات گزارنے والی اس لڑکی کو دیکھ کر ایک لفظ بھی نہیں بولا' بلکہ اس کی جانب دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا' جب ان کا ناشتہ کمرے میں آیا تو وہ بستر سے اٹھ کر واش روم گیا' تب رعنا نے ٹرے کی جانب ہاتھ بڑھایا اور جب تک وہ برآمد ہوا' آدھا حصہ ختم کر کے چائے پی رہی تھی۔

"میرے لیے اور بنا کر لاؤ۔ میں کسی کا جوٹھا نہیں کھاتا۔" حکم دیا گیا جسے اس نے سنا ہی نہیں۔

"تم اٹھتی ہو یا نہیں؟" اس نے ہاتھ زور سے صوفے کی بیک پر مارا۔

"نہیں۔ میں تو نہیں بنا رہی۔"

"کیسے نہیں بنا رہیں؟" اس نے بالوں سے پکڑا' کمرے کی کھڑکی اس وقت کھلی ہوئی تھی' رعنا نے پورے زور و شور سے چلانے کا آغاز کیا اور اس نے گھبرا کر بال چھوڑ دیے۔

"چپ کر جاؤ' بدذات!" وہ دبے دبے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"ایسے ہی چپ ہو جاؤں' سب کو پتا تو چلے نا عدیل صاحب کتنے مرد ہیں' ہونہہ عورت پر ہاتھ اٹھاتے ہیں۔" اس نے پھر چلانے کے لیے منہ کھولا' عدیل نے فوراً اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"اب اگر شور کیا تو گلا گھونٹ دوں گا۔" اسے صوفے پر پٹخ کر وہ دانت پیستے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"گھونٹ دو۔ یہی تو میں چاہتی ہوں تمہارے ساتھ زندہ رہنے سے کہیں بہتر مر جانا ہے اور پھر یہ خیال کہ میری موت کے بعد تم جیل کی سلاخوں کے پیچھے ہو گے کتنا خوش کن ہے تم اندازہ ہی نہیں کر سکتے۔"

مرد کے لیے اپنی ذات اپنی چھوٹی بڑی خوشیاں بہت اہمیت رکھتی ہیں' ذرا سی کمی پر اس کا دل اپنے لیے رنجور ہونے لگتا ہے' یہی حال عدیل کا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ رعنا شادی کے بعد ایسے کٹھور پن کا مظاہرہ کرے گی۔ اس کا خیال تھا وہ مشرق کی کمزور عورت کی طرح اس کے سامنے سر جھکا کر باوفا بیوی کا کردار ادا کرنے لگے گی جس کی دنیا شوہر سے شروع ہو کر شوہر پر ہی ختم ہو جاتی ہے۔ اب جو ایسا نہیں ہوا تو بہت سی محرومیاں اسے ستانے لگیں۔

"باہر سے آؤ تو یہ سراپا انتظار نہیں ملتی۔ اسے میرے کھانے پینے اور کپڑوں کی فکر نہیں ہوتی' یہ میرے لیے بجتی سنورتی نہیں اور میں چپکے چپکے اس کے کان میں سرگوشیاں کر کے اسے شرماتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا' نئے نویلے جوڑے تو محفلوں میں بیٹھ کر بھی آس پاس کو بھول کر ایک دوسرے میں کھو جایا کرتے ہیں اور وہ تو سب کے درمیان بیٹھ کر مجھے بھول ہی جایا کرتی ہے' کبھی میرے برابر نہیں بیٹھتی۔ مجھے زندگی میں یہ رنگ بھی چاہیے۔"



رات کو اس نے علیم الدین کے ساتھ تنہائی میں بڑی دیر تک بات کی تھی۔ انہیں بتایا تھا کہ رعنا شاید ابھی ذہنی طور پر شادی کے لیے تیار نہیں تھی' وہ شادی شدہ زندگی کی کسی بھی قسم کی ذمہ داری قبول کرنے کو تیار نہیں ہے۔

"اور میں بڑی ہمت سے اسے ڈیل کر رہا ہوں' لیکن آپ سب کو بھی اس سلسلے میں میرا ساتھ دینا ہو گا۔ میرے خیال میں اس کا بہترین حل یہی ہے کہ اب جب میں اسلام آباد جاؤں تو آپ اسے بھی میرے ساتھ بھجوا دیں۔ دیکھیے نا ابا! یہاں گھر میں بہت سے لوگ ہیں' وہ مجھے نظر انداز کر کے کسی کے بھی پاس جا بیٹھتی ہے۔"

واقعی اس کی بات معقول تھی' یہ تو وہ بھی دیکھ رہے تھے' رعنا کے چہرے پر نئی دلہنوں والا نکھار نہیں تھا' وہ تو

بالکل پہلے جیسی ہی دکھتی تھی۔ اب تک وہ اس کی ذمہ داری عدیل کے سر ڈال کر اس سے کسی روز تختی سے بات کرنے کا سوچ رہے تھے، لیکن آج عدیل نے پہلے خود یہ بات کر کے سب کلیئر کر دیا تھا۔

"ٹھیک ہے تم اسے اپنے ساتھ لے جاؤ۔"

"وہ میرے کہنے کو اہمیت نہیں دے گی۔ آپ کہیں گے تو ہی تیار ہو گی۔"

"میں کہہ دوں گا۔" انہوں نے تسلی دی تھی۔



ڈرائیونگ کے دوران عدیل نے اس سے دو، تین بار بات کرنے کی کوشش کی تھی، لیکن وہ سپاٹ چہرہ لیے کھڑکی سے باہر دیکھتی رہی۔ اس کی بات دھیان سے سنی ہی نہیں۔ رعنا کا خیال تھا اسلام آباد کے کسی اچھے سے رہائشی علاقے میں اس کا گھر ہو گا، لیکن شہری آبادی کے وہاں کوئی آثار ہی نہیں تھے، جہاں عدیل نے گاڑی روکی تھی۔ پرانی لیکن بڑی سی عمارت جس کے گرد باؤنڈری وال چھوٹی سی تھی، لکڑی کا گیٹ جس کے آر پار دیکھا جا سکتا تھا، بے شمار درختوں نے اس جگہ اور اس کے آس پاس ایک چھوٹے موٹے جنگل کا سماں پیدا کر دیا تھا۔

عدیل نے ہارن دیا تو ایک مقامی باشندے نے آ کر گیٹ کھولا اور عدیل کو دیکھتے ہی ہاتھ ماتھے پر رکھ کر سلام کیا۔ گاڑی عمارت میں داخل ہو کر ایک بار پھر رک گئی۔

"اترو منزل آ گئی ہے۔" وہ اپنی جانب کا دروازہ کھول کر اترا تو اسے بھی اترنا پڑا۔ دو سیڑھیاں چڑھ کر برآمدہ تھا اور آگے کمرے بنے ہوئے تھے، دروازہ کھول کر وہ کوریڈور میں داخل ہوا اور پھر ایک کمرے میں آ گیا، جو یقیناً اس کا بیڈ روم تھا۔

"جلدی سے فریش ہو جاؤ۔ میں چائے کا کہہ کر آتا ہوں۔ یہ ادھر واش روم ہے۔" اور جونہی وہ ادھر کو چلی۔ عدیل کے موبائل کی مخصوص ٹون بجنے لگی اور واش روم کا دروازہ کھولتے اس نے شمع کا نام سنا۔ وہ دروازہ مکمل بند کرنے کے بجائے تجسس میں تھوڑا کھول کر وہیں کھڑی ہو گئی۔

"ہاں بھئی۔ لے آیا ہوں اسلام آباد۔ یار! ابا کا حکم تھا، کیسے ٹالتا، مگر تجھے فکر کیوں ہو رہی ہے۔ تجھے تو میں بھی نہیں بھول سکتا۔ اسے تو بس چار دن چاندنی دکھانی ہے۔ نہیں خفا مت ہو یار! تیری خفگی نہیں برداشت کر سکتا۔"

پھر وہ کیا کیا کہتا رہا اس کے لیے تو بس اتنا ہی سننا کافی تھا۔ وہ ہاتھ منہ دھو کر کمرے میں آ گئی۔ عدیل موجود نہیں تھا۔ اسے سردی محسوس ہو رہی تھی۔ اسے یاد آیا اس کے اٹیچی میں امی نے دو، تین سویٹر بھی رکھے تھے، پتا نہیں سامان گاڑی سے نکلوایا بھی ہے یا نہیں، وہ یہی دیکھنے کمرے سے باہر آئی۔ وہ موبائل کان سے لگائے دوسری جانب رخ کیے دھیمی آواز میں بول رہا تھا۔

"ابھی کہاں، لاہور میں ہی پھنسا ہوا ہوں۔ بس کچھ کام پڑ گیا ہے۔ دس، پندرہ روز تک ہی اسلام آباد آ سکوں گا اور آتے ہی تم سے ملوں گا، میں جتنا اداس ہوں تم اندازہ نہیں لگا سکتیں۔"

"بی بی! کچھ چاہیے تھا؟" سامنے کچن میں ادھیڑ عمر ملازمہ چائے بنا رہی تھی، اسے دیکھا، سلام کیا، پھر پوچھنے لگی اور عدیل نے بھی مڑ کر دیکھا پھر موبائل آف کر دیا۔

"باہر کیوں آ گئیں؟"

"سامان چاہیے تھا اپنا۔"

"ہاں وہ رفیق لا رہا ہے۔ تم اندر چلو۔ ایک تو یہاں ویسے بھی سردی لاہور سے زیادہ ہوتی ہے اور علاقہ بھی کھلا ہے۔ میرا خیال ہے رات کو ہیٹر آن کرنا پڑے گا۔"

"تم سویٹر تو لے کر آئی ہو نا؟" اس پر نظر پڑی تو پوچھنے لگا، رعنا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"فکر نہ کرو، کل ہم مزید شاپنگ کریں گے۔ ایک آدھ ہی کافی ہے۔ مجھے زیادہ عرصہ یہاں رہنا تو ہے نہیں۔" وہ بڑی بے نیازی سے بول گئی۔

"کیا مطلب تو پھر کہاں رہنا ہے؟" اس نے بھنویں سکوڑ کر پوچھا تھا۔

"واپس جانا ہے مجھے۔ خیر دیکھا جائے گا اور فی الحال تم میرے بہت اچھے موڈ کو خراب مت کرو۔ کتنے کمرے ہیں اس گھر میں؟" وہ پوچھنے لگی۔

"بہت سے، لیکن صرف تین ہی سیٹ کیے ہیں، ایک گیسٹ روم، ڈرائنگ روم اور یہ میرا بیڈ روم۔"

"کدھر ہے گیسٹ روم؟ میں اپنا سامان ادھر ہی رکھواؤں گی۔"

"تماشا مت بناؤ، یوں رہو گی تو گھر کے ملازم شک کی نظر سے دیکھیں گے تمہیں، کچھ تو سوچ لیا کرو۔" عدیل نے جھلا کر کہا تھا۔

وہ خاموش بیٹھی اس تیاری کو دیکھتی رہی' جو بہت دل لگا کر کی جارہی تھی۔

"کیسا لگ رہا ہوں؟" بڑے اعتماد کے ساتھ وہ پوچھ رہا تھا۔

"ہونہہ' جب دل ہی کالے ہوں پھر اجلی صورتیں بھی دھندلی لگتی ہیں۔" اس جواب پر اس نے قہقہہ لگایا۔

"دلوں کو کس نے دیکھا ہے۔ خوش قسمت ہو بھئی کہ ہم جیسا نصیب بنا ہے۔ ارے لڑکیاں دیکھ دیکھ کر آہیں بھرتی ہیں۔"

"آہیں تو میں بھی بھرتی ہوں' بڑا روتی ہوں نصیب پر۔" اس کا پُرغرور انداز تیخ پا کر گیا تھا۔

"تو بس پھر روتی رہو' بھرتی رہو آہیں۔" اب کے اس کا موڈ بھی خراب ہوا تھا' مزید اس سے کچھ کہے بغیر' پھر اپنی تیاری میں لگ گیا' جو کسی طرح مکمل ہونے میں نہیں آرہی تھی۔ وہ چلا گیا تو رعنا کتنی دیر ایک ہی پوزیشن میں بیٹھی رہی۔ ملازمہ اپنے کوارٹر میں چلی گئی تو اس نے اٹھ کر برآمدے کا دروازہ بند کیا۔

کمرے سے باہر آکر اسے احساس ہوا بہت تیز ہوا چل رہی تھی اور دوپہر سہ پہر میں ڈھل رہی تھی۔

"اتنے بڑے گھر میں' میں بالکل اکیلی۔ مجھے ملازمہ کو نہیں بھیجنا چاہیے تھا۔ کچن میں آکر چائے بنانے کھڑی ہوئی تو ہوا کی شدت میں اور بھی اضافہ ہو گیا یکدم اسے لگا اس کے پیچھے کوئی موجود ہے۔ تیزی سے پلٹ کر دیکھا کوئی بھی نہیں تھا مگر اب اس کا دل معمول سے زیادہ تیز دھڑکنے لگا تھا۔ بمشکل چائے بنائی' بسکٹ نکالے اور تیز قدموں کے ساتھ اپنے کمرے میں آگئی۔ کھڑکی پر درختوں کی شاخیں زور سے لگتی تھیں تو عجیب سی آواز پیدا ہوتی تھی۔ دفعتاً بجلی چمکنے لگی' شاید ہلکی بارش بھی ہونے لگی تھی۔ اس نے ٹائم دیکھا' عدیل کو گھر سے نکلے چار گھنٹے ہو چکے تھے' اب تو شاید واپس آنے والا ہو گا۔ آج پہلی بار اسے اس کی واپسی کا انتظار تھا۔

چائے اور بسکٹ لینے کے بعد اس نے بیڈ پر نیم دراز ہو کر کمبل اپنے اوپر پھیلا لیا' وہ کچھ دیر سونا چاہتی تھی۔ جیسے جیسے وقت گزرتا گیا' شام رات میں ڈھل گئی اور اسے لگنے لگا' یہ گھر بھوتوں کی آماجگاہ ہے۔ گھبرا کر اس نے عدیل کا نمبر ملایا لیکن وہ اٹینڈ نہیں کر رہا تھا۔ وہ بھی بار بار کوشش کرتی رہی اور آخر عدیل نے اٹینڈ کر ہی لیا۔

"کیا ہے' کیوں بار بار رنگ کر رہی ہو؟ بتایا تو تھا دیر سے آؤں گا۔" اس کی آواز کے ساتھ ساتھ وہ پس منظر میں بجنے والی موسیقی اور لوگوں کی ہنسی اور باتوں کی آواز بھی سن رہی تھی۔

عدیل کے لہجے نے اسے احساس دلایا' وہ کتنی بڑی غلطی کر چکی ہے۔

"کیا ضرورت تھی مجھے اس کا نمبر ملانے کی۔" اب وہ خود سے الجھ رہی تھی۔ اسے احساس نہیں ہوا غصے اور دکھ کی اس کیفیت میں خوف کی کیفیت کم ہو گئی ہے۔ باہر سے آتی آوازیں اب کم ہو رہی تھیں۔ شاید آندھی کا زور ٹوٹ رہا تھا۔ جانے کب اسے نیند آگئی۔ جانے کتنی رات بیت رہی تھی کہ اس کی آنکھ اپنے موبائل کی رنگ پر کھلی۔ عدیل کا نام اسکرین پر روشن ہو رہا تھا۔ جی چاہا آف کر دے پھر کچھ سوچ کر کان سے لگا لیا۔

"برآمدے سے باہر کھڑا ہوں' دروازہ کھولو۔" اور وہ بستر چھوڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"سو گئی تھیں' بتولاں کہاں ہے؟"

"کون بتولاں؟"

"ارے بھئی' وہی عورت جو یہاں کام کرتی ہے۔ کمال ہے تم نے ابھی تک اس سے نام بھی نہیں پوچھا۔" وہ بڑا فریش اور خوشگوار موڈ میں دکھائی دے رہا تھا۔

"وہ سہ پہر میں اپنے کوارٹر چلی گئی تھی۔"

"اوفو... جانے کیوں دیا؟ وہ تو رات تک ادھر ہی ہوتی ہے' اب دیکھ لیا ہو گا۔ احمق سی بیگم صاحبہ آگئی ہے تو چکمہ دے گئی۔ ڈر تو نہیں لگا؟ فون کیوں کیا تھا؟" اسے شانوں سے تھام لیا۔

"میں سو رہی تھی۔" اس نے یاد دلایا اور اس کے ہاتھ ہٹانے چاہے۔

"سوتی رہنا یار! سونے کو عمر پڑی ہے لیکن آج موسم بڑا بے ایمان ہے۔" وہ اسی طرح اسے تھامے ہوئے کمرے تک آیا تھا۔

"میں اس وقت صرف سونا چاہتی ہوں۔"

اس کی مسکراہٹ معدوم ہوئی اور چہرے پر سختی چھا گئی تھی۔

پھر اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر اسے بے بس کیا اور بولا۔

"تمہیں پتہ تو ہے ایک نہیں چل سکتی تمہاری۔"

ہر بات میں من مانی صرف اپنی مرضی اور دھونس بھرا

انداز۔

رعنا کے پاس ایک ہی حربہ تھا' جب بھی وہ اس سے خوشگوار موڈ چاہتا تو وہ ایسی بات کر جاتی کہ اس کا مزاج بھی درہم برہم ہو جاتا۔



شمع کے فون اب بھی تواتر سے آتے تھے اور عدیل' رعنا کی موجودگی کی پروا نہ کرتے ہوئے بڑے نثار ہونے والے انداز میں باتیں کیا کرتا تھا۔

"تم نے شمع سے شادی کیوں نہیں کی؟" ایک روز جب اس سے بات کر کے وہ بڑے مزے سے بیٹھا تھا' اس نے پوچھ لیا۔

"کریں گے' فی الحال نہ اسے جلدی تھی نہ مجھے۔"

وہ سر جھٹک کر کمرے سے باہر آ گئی۔

اس رات بھی آندھی کے ساتھ بارش آئی تھی۔ موسم میں خنکی بہت بڑھ گئی تھی۔ سویٹر پہن کر اس نے شال بھی اوڑھ لی اور آ کر لان میں بیٹھ گئی۔ آج موسم صاف تھا اور دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ سرسبز پیڑ پودے اور لکڑی کے گیٹ سے اندر آتا سرخ اینٹوں کا راستہ۔ جتولاں نے بتایا تھا یہ عمارت بہت پرانی ہے' کبھی یہ انگریز کی ملکیت بھی رہ چکی ہے۔ بڑے بڑے انگریز افسر اور گوریاں یہاں آ کر ٹھہرا کرتے تھے اور رتجگا منایا جاتا تھا اور یہ کوٹھی کبھی بھی ویران نہیں رہی اور جس نے بھی خریدی ہے' بڑے پیار سے خریدی ہے۔

"اب یہ کوٹھی جو بظاہر آباد دکھائی دیتی ہے لیکن ویران ہی تو ہے۔" اس نے گہری سانس کھینچ کر سوچا ضرور تھا کہا کچھ نہیں۔

"کیا یہاں آس پاس آبادی ہے؟"

"جی ہاں' بالکل ایسے ہی بڑے بڑے اور بھی مکان ہیں اور نیچے ہمارا گاؤں بھی ہے۔ اگر آپ باہر سڑک پر آ کر دیکھو تو بل کھاتے راستوں سے آگے آپ کو کچھ مکان دکھائی دیں گے' بس وہی گاؤں ہے۔ یہ گوشت' مرغی' انڈے' سبزی اور ضرورت کا اور سامان بھی میں ادھر سے لے کر آتی ہوں۔"

"رعنا! ادھر آؤ۔" عدیل برآمدے کی پہلی سیڑھی پر کھڑا اسے آوازیں دے رہا تھا۔ وہ قریب جا کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"شام کو میرے کچھ دوست آ رہے ہیں' تم تیاری کر لینا۔"

"کیسی تیاری؟"

"میرا مطلب ہے چڑیل بن کر مت گھومتی رہنا' کچھ تیار ہو جانا' ان میں سے کچھ میرڈ ہیں۔ بیگمات بھی ساتھ ہوں گی۔"

"مجھے کسی سے نہیں ملنا۔"

"ملنا تو ہے۔" وہ پھر سے اپنے مخصوص انداز میں بولا۔

"جب میں نے کہا ہے' مجھے تمہارے دوستوں سے نہیں ملنا پھر کیوں زبردستی کرتے ہو؟"

"میرے دوستوں میں میل ہی نہیں' فی میل بھی تو شامل ہیں۔"

"ہاں' وہ جن کے عورت ہونے پر مجھے شرمندگی اور افسوس ہے۔"

"ہاں جی' آپ تو ولی ہیں نا!" وہ ہنستے ہوئے برابر رکھی کرسی پر بیٹھ گیا تو رعنا تیزی سے اٹھ کر اندر چلی گئی۔ وہ بھی اٹھا اور پیچھے چلا آیا۔

"میری دوستیں یہ دیکھنا چاہتی ہیں' آخر وہ کون ہے جسے میں نے شادی کے لیے منتخب کر لیا ہے۔"

"ہاں' اب مجھ سے ملنے کے بعد پھر تمہارے ساتھ میری ذات پر تبصرے کیے جائیں گے۔ ہر لڑکی بار بار یہی کہے گی' اتنی خاص تو نہیں۔ تمہیں کیا نظر آ گیا تھا۔"

"مجھے اپنے ڈریس دکھاؤ' اگر مجھے پسند نہ آئے تو ابھی بازار چلیں گے۔"

"میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

"تمہاری طبیعت کی ایسی کی تیسی۔"

"سوچ لو' ضد پر آ گئی تو ساری پارٹی دھری کی دھری رہ جائے گی اور ہاں' مجھ سے یہ امید نہ رکھنا کہ میں تمہاری تھرڈ کلاس دوستوں سے کسی تمیز ادب آداب سے پیش آؤں گی۔"

"ضدی لڑکی! میں نے انہیں یہاں ذلیل کروانے کے لیے نہیں بلایا۔"

"میں مقابل کو اس کے کردار کے مطابق ہی عزت دیا کرتی ہوں۔"

پھر اچھی خاصی لڑائی ہو گئی۔ عدیل کا اس پر ہاتھ بھی اٹھ گیا' وہ کمرہ بند کر کے روتی رہی اور یہ ٹی وی لگا کر چینل سرچ کرتا رہا۔

"بات بات پر ہاتھ اٹھاتا ہے' مجھے زر خرید سمجھتا ہے اور میں پھر بھی اس کے ساتھ رہ رہی ہوں۔" یہ خیال ذہن میں آج ہی جاگا تھا' وہ فوراً "اٹھی۔ دروازہ کھولا پھر برآمدہ پار کیا' اس کے بعد لکڑی کا پھاٹک کراس کر کے وہ اونچی نیچی سڑک پر چلنے لگی۔ ہتھیلیوں سے آنکھوں میں آنے والے آنسو بار بار پونچھتی جا رہی تھی۔

کچھ دیر بعد وہ تھک کر سنگ میل پر بیٹھ گئی اور اونچائی پر بنے گھروں کو بظاہر بڑے انہماک سے دیکھنے لگی۔

"کیا میں آپ کی مدد کر سکتا ہوں۔" کوئی بہت قریب آکر بولا تھا اور وہ جو دکھوں کے پاتال میں اتری ہوئی تھی' یہ آواز سن کر اچھل پڑی۔

"دیکھیے یہ جگہ قطعی محفوظ نہیں ہے۔" رعنا نے اب کے پہلے گہرے ہوتے اندھیرے کی طرف پھر اس کی طرف دیکھا' وہ اس سے کچھ فاصلے پر کھڑا تھا۔ اس کے بازو اور ماتھے پر پٹی بندھی ہوئی تھی' یقیناً وہ زخمی تھا' خوف کچھ کم ہوا۔

"اگر آپ کہیں تو آپ کو آپ کے گھر تک چھوڑ دوں؟"

"مم... میں تو راستہ نہیں جانتی۔ ہم لوگ ابھی یہاں آئے ہیں۔" وہ روہانسی ہو رہی تھی۔

"اوہ مہمان ہیں آپ ادھر۔"

"آپ فون نمبر بتائیں' میں رابطہ کرتا ہوں۔"

وہ رونے لگی۔ "مجھے نمبر بالکل یاد نہیں۔ میرے موبائل میں ہے نمبر لیکن موبائل تو گھر پہ ہے۔ اف' اب میں کیا کروں؟"

"رو ئیں نہیں' میرے ساتھ آئیے۔ میرے گھر میں میری سسٹر اور ان کے بچے موجود ہیں۔ گھبرائیے نہیں' یہ جگہ تو بالکل محفوظ نہیں۔"

یہ تو وہ خود بھی دیکھ رہی تھی۔

"شکل سے شریف آدمی لگتا ہے اور پھر زخمی بھی ہے۔ میرا خیال ہے بھروسہ کر ہی لوں۔" اس نے سوچتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا اور اس کے ساتھ ہولی۔ گھر میں واقعی ایک خاتون اور تین بچے موجود تھے۔

سامنے گھڑی پر نگاہ گئی' رات کے ساڑھے آٹھ ہو رہے تھے۔

"اب تک عدیل کے مہمان آچکے ہوں گے اور میرے لیے تو اس کا غصہ آخری حدوں کو چھو رہا ہوگا۔ کوئی پتا نہیں آج وہ گھر پہنچنے پر مجھے مار ہی ڈالے۔"

ان سب نے رعنا کی جانب دیکھا' خاتون اس کے پاس آئیں۔ نام پوچھا اور یہ جان کر کہ وہ اپنے گھر کا پتہ بھول چکی ہے' خاصی پریشان ہوئیں۔

"انسپکٹر زمان کو فون کرو شہاب!" وہ بھائی سے مخاطب تھیں۔

"اوہو' ایسی بھی آفت نہیں آگئی کہ پولیس طلب کرلی جائے۔ آپ یہ بتائیں اپنے سیل کا نمبر تو یاد ہے نا آپ کو۔" اس نے اثبات میں سر ہلا کر نمبر بول دیا۔ "تو ٹھیک ہے' اسی پر ٹرائی کرتے ہیں۔ سیل تو آپ کا گھر میں ہی ہے نا' کوئی تو اٹھائے گا۔"

شہاب نے نمبر ملایا' بیل جاتی رہی۔ پہلی بار دوسری بار پھر تیسری بار' یقیناً وہ ڈرائنگ روم میں مہمانوں کے ساتھ مصروف ہوگا اور اس کا موبائل تو بیڈ روم میں رکھا تھا۔

"اوہو' آپ کہیں اس پرانے بنگلے میں تو نہیں رہتیں جس کے آس پاس بہت سے درخت ہیں اور جس کی دروازوں' کھڑکیوں پر تازہ تازہ گرین کلر کا پینٹ کیا گیا ہے۔ دور ہی سے دکھائی دیتا ہے؟"

"جی جی... بالکل..." اس نے جھٹ سے کہا۔

"پھر تو پریشانی کی بالکل کوئی بات نہیں' میں اور بچے کبھی کبھار سیر کے لیے اس طرف چلے جاتے ہیں۔ خوب پہچان ہے اس راستے کی۔ شہاب! گاڑی نکالو' میں تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔ راستہ بتاتی جاؤں گی۔" وہ خاتون اس بار طمانیت سے بولی تھیں۔

جس وقت وہ عدیل کی رہائش گاہ پر پہنچے' سرد رات پر پھیلائے دلوں پر بھی کہر اور خوف اتار رہی تھی۔ وہ دونوں سوچ رہے تھے' پتہ نہیں اس کا شوہر کس مزاج کا ہوگا اور اجنبیوں کے ہمراہ اپنی بیوی کو دیکھ کر کس رویے کا مظاہرہ کرے گا جبکہ وہ اس کی مار سے خوف زدہ تھی۔ تکلیف اور تذلیل کا احساس ابھی سے رگ و پے میں اتر رہا تھا۔ چھوٹی سی باؤنڈری وال سے نظر آ رہا تھا کہ اب وہاں عدیل کی گاڑی کے علاوہ کوئی گاڑی نہیں تھی' یقیناً اس کے مہمان جا چکے تھے۔

گاڑی کے ہارن پر خدا بخش نے گیٹ کھولا تھا اور آواز سن کر ہی عدیل بھی باہر آگیا تھا۔

"آپ کی بیگم راستہ بھول گئی تھیں۔" فرح خود نیچے اتری تھیں اور عدیل کو بتا رہی تھیں۔

"اوہ... بے حد شکریہ آپ لوگوں کا' اندر تو آیئے۔" وہ بڑی شائستگی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

"نہیں پھر کبھی سہی' فی الحال تو آپ سنبھالیے اپنی معصوم سی بیگم کو۔ ہم بچوں کو گھر پر اکیلا چھوڑ کر آئے ہیں' ٹھہر نہیں سکتے۔"

وہ واپس چلے گئے۔ رعنا دھڑکتے دل کے ساتھ اندر آ گئی۔ اسے سردی لگ رہی تھی اور وہ بے حد تھکن اور کمزوری محسوس کر رہی تھی۔ کمرے میں آ کر جیسے ہی بیڈ پر بیٹھی عدیل کی سرد آواز آئی۔

"اپنا تکیہ اٹھاؤ اور صوفے پر چلی جاؤ۔"

اس نے تکیہ اٹھایا مگر صوفے پر بغیر کمبل کے کہ کمبل تو ایک ہی تھا اور اسے سردی بھی لگ رہی عدیل نے سر سے پاؤں تک کمبل اوڑھ لیا تھا۔ وہ ہلکی سی شال اوڑھے صوفے پر احمقوں کی طرح منہ اٹھائے بیٹھی تھی۔ عدیل نے اسے مکمل نظرانداز کر دیا تھا۔

"کیا میں اس کی غلط فہمی دور کروں؟ اسے بتاؤں میں نے جان بوجھ کر دیر نہیں کی لیکن کیا یہ خودغرض شخص اس قابل ہے کہ اسے وضاحتیں دی جائیں۔ نہیں' بالکل نہیں۔" اور وہ سمٹی سمٹائی پھر سے لیٹ گئی۔ خوف اور تھکن نے اسے کمزور کر دیا تھا لیکن ٹھنڈ سونے بھی نہیں دے رہی تھی۔

ساری رات سونے جاگنے کی کیفیت میں گزر گئی۔ صبح جسم ٹوٹ رہا تھا۔ وہ وقت پر اٹھ نہ سکی۔ عدیل تیار ہو کر آفس چلا گیا۔ کچن سے کھٹر پٹر کی آوازیں آ رہی تھیں۔ یقیناً بتولاں برتن دھو رہی تھی۔ اس کے جانے کے بعد وہ بیڈ پر لیٹی اور سو گئی۔ اس کی آنکھ کھلی تو دن کے بارہ بج رہے تھے' زور کی بھوک لگ رہی تھی اور سر میں درد بھی تھا۔ فریش ہو کر وہ کچن میں آئی۔ برتنوں کا ایک ڈھیر تھا جو بتولاں نے دھو کر رکھا تھا۔

اس نے فریج کا جائزہ لیا' رات کا بچا بہت کچھ رکھا ہوا تھا۔ اس نے اسی میں سے تھوڑا سا نکالا اور صرف چائے بنا کر ناشتا کر لیا۔

"اب ایک تو بجنے لگا ہے' دو بجے تک عدیل گھر آ ہی جایا کرتا ہے۔ ایک ڈیڑھ گھنٹہ ہی رہ گیا ہے۔" اسے گھبراہٹ ہونے لگی۔ وہ اس کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ عدیل آج دو ڈھائی کے بجائے شام کے چار بجے گھر آیا اور اس کے ساتھ دو بے حد ماڈرن بے باک سی لڑکیاں بھی تھیں' وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھنے کے بجائے بیڈروم میں آ گئی تھیں اور انہوں نے رعنا کے وجود کو بالکل نظرانداز کر دیا تھا۔

وہ خاموشی سے اٹھ کر گیسٹ روم میں آ بیٹھی۔ یہاں بیڈ اور بیڈ پر تہہ کیا ہوا کمبل بھی موجود تھا۔ "اوہ رات کو دھیان ہی نہیں آیا' ایسے ہی سردی میں ٹھٹھرتی رہی۔" وہ پیروں پر کمبل ڈال کر بیڈ پر بیٹھ گئی۔

"کیا مجھے یہ انتظار کرنا چاہیے کہ وہ مجھے اپنے منہ سے جانے کو کہے لیکن وہ کبھی نہیں کہے گا' وہ تایا ابا کے ڈر سے ایسا نہیں کہہ سکتا' وہ بس مجھے یونہی ذلیل کرتا رہے گا۔ یہ لڑکیاں مسلمان ہیں' کیسے گھروں سے تعلق ہے ان کا' ان کے لباس' انداز' کتنا فضول ہے اور وہ جسے تقدیر نے میرا شوہر بنا دیا ہے۔ ان پر مرتا ہے۔" اسے پتہ نہیں چلا آنسو تواتر سے چہرہ بھگو رہے تھے۔ ایک ہی رخ پر بیٹھے اسے کتنی ہی دیر گزر گئی' باتوں اور ہنسی کی مسلسل آواز آ رہی تھی۔

کھانا کھا کر اس نے نماز پڑھی اور سجدے میں سر رکھ کر دیر تک روتی رہی۔ کیا مانگے خدا سے اسے یہ سمجھ میں نہیں آیا مگر وہ روتی چلی گئی۔

گیارہ بجے کے قریب اس نے گاڑی کی آواز سنی تھی۔ یقیناً عدیل کے مہمانوں کی واپسی ہو رہی تھی' وہ جانتی تھی اسے بلانے نہیں آئے گا۔ وہ دروازہ لاک کر کے لیٹ گئی پھر اس کی آنکھ بہت دیر سے کھلی۔ صبح اسے پتہ ہی نہیں چلا کہ وہ کس وقت تیار ہو کر چلا گیا' ہاں جب شام کے پانچ بجے اس کی واپسی ہوئی تو وہ کچن میں بیٹھی چائے پی رہی تھی۔

"سنو' یہ تمہارے باپ کا گھر نہیں ہے کہ جہاں جی چاہے استراحت فرماؤ' آج بیڈروم میں سونا ہو گا تمہیں۔" وہ حکم سنا کر چلا گیا اور اس نے چائے سنک میں انڈیل دی۔

یہ تیسرا روز تھا جب وہ اس سے بات نہیں کر رہا تھا مگر من مانی جاری تھی۔

"شمع اور رشنا آ رہی ہیں' میں نہیں چاہتا ہمارے درمیان جو بھی ہے' اس کی بھنک بھی خاندان میں کسی کو پڑے' اس لیے کچھ دنوں کے لیے ہم دونوں کو اداکاری کرنا پڑے گی۔" وہ دوبارہ اس کے سر پہ کھڑا کہہ رہا تھا۔

"تم میری بات سن رہی ہو؟" اس کے خاموش رہنے پر وہ جھلا گیا۔

"ظاہر ہے' بہری نہیں ہوں' سن ہی رہی ہوں۔"

"تو پھر اس پر عمل بھی کر لینا' تمہاری ہی عزت کا سوال ہے۔"

"ہونہہ!" وہ سر جھٹکے بغیر رہ نہیں سکی' عدیل نے اس انداز کو دیکھا ضرور لیکن فی الحال خاموش رہنا ہی بہتر تھا۔

وہ الجھن میں تھا کہ آخر ان دونوں نے اچانک کیوں پروگرام بنا لیا۔ مانا کہ جا کر اباّ سے وہ دونوں ہرگز کوئی شکایت نہیں لگائیں گی لیکن جو اندازہ لگائیں گی' گھر جا کر ضرور بتائیں گی اور پھپھو تو جب تک سارے خاندان کو سنا نہ دیں چین نہیں پڑے گا۔

اور ادھر وہ سوچ رہی تھی' یہ دونوں عدیل سے ملنے یہاں تک چلی آئی ہیں۔ کوئی آس دلا رکھی ہے تب ہی تو...... عدیل صاحب تیار ہو جایئے آپ بھی' بہت دن زیادتی برداشت کر لی میں نے۔

ایسی سوچ ذہن میں ابھری تھی کہ وہ سیدھی ہو بیٹھی اور اندرونی سوچ کا عکس اس کے چہرے پر بھی ابھرنے لگا۔

عدیل بھی اسے دیکھ کر چونکا مگر کہا کچھ نہیں۔

"دیکھ لینا' گھر میں کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتا دینا' لیتا آؤں گا۔ وہ دونوں پرسوں دوپہر تک پہنچ جائیں گی۔"

رعنا نے اٹھ کر الماری سے اپنے کپڑے نکالے اور واش روم میں گھس گئی۔



جس روز شمع اور رشا نے آنا تھا' عدیل آفس ہی نہیں گیا۔ بتولاں کے ساتھ مل کر لسٹ بنائی اور مارکیٹ سودا لینے چلا گیا۔

"کوئی خاص مہمان آ رہے ہیں؟" اس کے جانے کے بعد بتولاں' رعنا سے پوچھ رہی تھی۔

"تمہارے صاحب کی ملنے والیاں ہیں۔"

بتولاں نے برا سا منہ بنا کر لمبی سانس کھینچی اور خاموشی سے کچن میں جا کر دھلے برتن خشک کرنے لگی۔

بتولاں نے یہ سن کر کہ لڑکیاں عدیل کی ملنے والیاں ہیں' بے دلی سے کھانا تیار کیا۔ وہ دونوں آئیں تو سلام کرنے بھی کچن سے باہر نہیں نکلی اور رعنا بھی ان کی آمد کے بعد کچن میں ہی کرسی رکھ کر بیٹھ گئی۔ عدیل کچھ دیر بعد آیا۔

"تم ادھر آ کر کیوں بیٹھ گئی ہو۔ مہمان آئے ہیں تمہارے گھر میں' یوں اچھا لگتا ہے کیا؟"

"وہ میری نہیں' تمہاری مہمان ہیں۔ تم اٹینڈ کرو۔"

"میں نے تم سے کچھ کہا تھا رعنا!" وہ بڑی مشکل سے ضبط سے کام لے رہا تھا۔

"میں بھول گئی ہوں۔"

"باہر آ کر بات سنو۔" وہ بتولاں کے سامنے کچھ کہنا نہیں چاہ رہا تھا۔ رعنا اٹھ کر باہر آ گئی۔

"ہر وقت تماشا کرنا ضروری ہوتا ہے' تمہیں ذرا بھی تمیز نہیں ہے۔"

"اگر آنے والے کسی عزت کے مستحق ہوں گے تو میں ضرور انہیں عزت دوں گی۔"

"اندر آ کر بیٹھو۔" اس نے انگلی اٹھا کر تنبیہی انداز میں لیکن بظاہر آرام سے کہا تھا۔

رعنا نے کچھ سوچا پھر اثبات میں سر ہلا دیا۔ عدیل گیسٹ روم میں اس سے پہلے داخل ہوا۔ دونوں لڑکیوں کی زور و شور سے ہنسنے بولنے کی آوازیں آنے لگیں' جیسے ہی رعنا کمرے میں داخل ہوئی' نت نئی فرمائشیں کرتے کرتے دونوں بالکل چپ ہو گئیں۔ رعنا نے جتانے والے انداز میں عدیل کی جانب دیکھا۔

کھانا صرف اس کی موجودگی کی وجہ سے بڑی خاموشی سے کھایا گیا اور اس کے بعد وہ اٹھ کر بیڈ روم میں آ گئی۔ وہ حسب دستور صوفے پر ہی سو رہی تھی لیکن روزانہ اس کے پاس گیسٹ روم والا کمبل ہوتا تھا۔ عدیل کو مہمانوں کا تو خیال رہا کہ ان کے آنے پر کسی چیز کی کمی نہ ہو لیکن رعنا کا خیال نہیں آیا' اب وہ رات کو کیا اوڑھ کر سوئے گی' اس نے اسے بیڈ روم میں تو بلا لیا تھا لیکن بیڈ پر سونے کو نہیں کہا تھا اور رعنا کو بھی خودداری روک رہی تھی۔ وہ آج پھر دونوں گرم شالوں کو ملا کر صوفے پر لیٹ گئی تھی۔ عدیل جب کمرے میں آیا تو رات کا ایک بج رہا تھا۔ رعنا کو نیند نہیں آ رہی تھی لیکن وہ سوتی بن گئی۔

* * *

ناشتے کی ٹیبل پھر وہ اور ان کی باتیں تھیں' اب تو وہ رعنا کی موجودگی میں بھی خاموش نہیں ہوئی تھیں۔ انہیں خوبصورت کڑھائی والے گرم سوٹ اور سویٹر لینے تھے۔ یہاں کی کچھ خاص سوغاتیں اور جیولری بھی چاہیے تھی۔

"آج تو آفس جانا ہے' بابا مسلسل رابطہ رکھتے ہیں۔ کل بھی انہوں نے آفس فون کیا اور جب پتہ چلا کہ میں آفس نہیں آیا تو بہت خفا ہوئے تھے۔"

"پھر آج شام کو چلیں گے۔" شمع نے جھٹ سے کہا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

عدیل کے جاتے ہی رعنا نے بتولاں سے پوچھا۔ "ادھر ٹیکسی کدھر سے ملے گی؟"

"فون کر کے منگوائی جا سکتی ہے' آپ کو کہیں جانا ہے کیا؟"

"بتولاں! وہ ابھی ابھی میرے گھر سے فون آیا ہے' ضروری کام ہے۔ مجھے جانا پڑے گا' تم خدا بخش سے کہہ دو ٹیکسی منگوا دے اور میرے ساتھ کوچز کے اڈے تک چلے۔"

"ٹھیک ہے بیگم صاحبہ! میں کہہ دیتی ہوں۔"

کمرے میں آ کر اس نے ضرورت کی چیزیں اور کپڑے جلدی جلدی بیگ میں ڈالے جیسے ہی ٹیکسی آئی' وہ خدا بخش کے ساتھ نکل آئی۔



جس وقت وہ لاہور پہنچی' شام کے سات بج رہے تھے۔ اندھیرا چھا چکا تھا' اس نے راستے ہی میں تایا ابا کو فون کر کے ڈرائیور کو بھیجنے کے لیے کہہ دیا تھا لیکن وہ تو خود لینے آئے تھے۔

"تم اچانک... خیر تو ہے بیٹا!"

"جی تایا ابا! خیر ہی ہے' بس آپ لوگوں سے ملنے چلی آئی۔ یوں بھی آج کل رشنا اور ثمینہ اسلام آباد آئی ہوئی ہیں تو میرا وہاں کوئی کام نہیں تھا۔"

وہ جیسے سمجھ گئے اور خاموش ہو گئے لیکن گھر پہنچتے ہی انہوں نے نمبر ملا کر عدیل کی خوب خبر لی تھی جس کے نتیجے میں کچھ دیر بعد وہ اس کے موبائل پر تھا اور خوب ہی برسا تھا۔ اچھی خاصی سنانے کے بعد اس نے کہا تھا۔

"میرا خیال ہے رعنا بی بی! ہمارا ساتھ اتنا ہی بہت تھا۔ بھی مجھے تمہیں حاصل کرنا تھا کر لیا' اب اپنے عاشق سے بیاہ رچاؤ یا کسی اور کے پلے بندھ جاؤ' مجھے پروا نہیں۔"

وہ سن سی کھڑی رہ گئی پھر وہ اس رات ایک لمحہ کے لیے بھی نہ سو سکی تھی۔



اگلے روز رشتے کی ایک چچی اچانک ہی چلی آئیں' رعنا کو دیکھا تو ٹھٹکیں۔

"ساجدہ تو بتا رہی تھی' اس کی دونوں لڑکیاں اسلام آباد گئی ہوئی ہیں۔ تم تو یہاں ہو۔"

"جی عدیل تو وہیں ہیں نا۔" اس نے جس طرح کہا' چچی تو خاندان کے ایک ایک فرد کو خبر سنانے کے لیے بے تاب ہو گئیں۔ یہ ان کی اعلا کارکردگی کا نتیجہ تھا کہ اگلے ہی روز دونوں لڑکیوں کو سارے پروگرام کینسل کر کے واپس لاہور آنا پڑا۔

تایا ابا نے عدیل کو فون کر کے کہا کہ وہ آ کر رعنا کو لے جائے۔ جواب میں اس نے کہا تھا۔

"ابا! رعنا کو یہاں لا کر رکھنا میری غلطی تھی' وہاں تو وہ آپ لوگوں کی نگرانی میں ہے۔ یہاں میں تو آفس چلا جاتا ہوں' وہ ادھر ادھر گھومنے نکل جاتی ہے۔ میری تو اس کی نظر میں دو کوڑی کی بھی عزت نہیں۔ یہاں اس ویران علاقے میں وہ بڑے آرام سے ایک غیر مرد کی گاڑی میں رات کے دس بجے گھر آتی ہے۔"

"تم بکواس کر رہے ہو عدیل!"

"مجھے پتہ تھا ابا! آپ یہی کہیں گے لیکن کسی بھی غیرت مند مرد کے لیے یہ برداشت کرنا بہت مشکل ہے' چاہے اس کے باپ کا حکم ہی کیوں نہ ہو۔"

بعد میں یہ سب اس نے خود ہی رعنا کو جتا کر اسے بے سکون کر دیا تھا۔ اسی شرمندگی اور دکھ نے اسے بیمار کر ڈالا۔ بخار تھا کہ ٹوٹنے میں ہی نہیں آتا تھا۔ تایا ابا قریب آ کر بیٹھتے تو وہ رونے لگتی لیکن اس کے لب اس بارے میں کوئی بھی بات کرنے سے قاصر تھے۔

تیسرے روز اسے پتہ چلا تایا ابا اور تائی جان اسلام آباد چلے گئے ہیں۔ ان کی واپسی ایک ہفتہ بعد ہوئی' تب تک اس کا بخار تو اتر چکا تھا لیکن ابھی وہ بہت کمزور تھی۔ تایا ابا نے اسے اپنے کمرے میں بلایا اور پاس بٹھا کر آزردگی سے کہا تھا۔

"عدیل نے تمہارے ساتھ جو کچھ کیا' اسے معاف کر دو بیٹا! پاک باز عورت پر تہمت بڑا گناہ ہے اور اس نے تمہارے کردار پر چھینٹے اچھال کر اس کی سزا پا لی ہے۔ وہ تمہارا مجرم ہے بیٹا! معاف کر دو اسے۔"

وہ کچھ نہیں سمجھ رہی تھی' تب آصفہ بیگم نے جتایا۔

"عدیل کا بہت بری طرح ایکسیڈنٹ ہوا ہے' وہ چلنے پھرنے سے معذور بستر پر پڑا ہے۔ اس وقت اسے تمہاری بہت ضرورت ہے۔"

وہ دوبارہ جانا نہیں چاہتی تھی لیکن ماں کے مجبور کرنے پر ایک بار پھر جا رہی تھی' اس بار تایا اور تائی جان اس کے ہمراہ تھے۔ عدیل ہاسپٹل سے گھر آ چکا تھا۔ ایک ٹانگ اور

بازو فریکچر تھا۔ کمر میں بھی شدید چوٹ آئی تھی۔ وہ اس وقت مکمل طور پر دوسروں کے رحم و کرم پر تھا۔



جس وقت وہ لوگ اسلام آباد پہنچے' کاریڈور میں خدابخش سے ملاقات ہوئی اور اس نے بتایا وہ ابھی صاحب کا لباس تبدیل کر کے آرہا ہے۔ رعنا نے دیکھا اس کے ہاتھ میں عدیل کے اتارے ہوئے کپڑے تھے' وہ شخص جو ملازموں کو زیادہ لفٹ دینے کا قائل نہیں تھا' خدابخش کے ساتھ تو ہمیشہ بڑے روکھے انداز میں بات کرتا تھا' آج... اُف! کیا ہے انسان بھی لیکن وہ اپنی اوقات بھول جاتا ہے' بڑھ بڑھ کر بولنے اور دعوے کرنے لگتا ہے۔

بتولاں ٹرے میں یقیناً عدیل کا کھانا رکھے ادھر آئی تھی۔ انہیں دیکھا تو سلام کیا اور رعنا کو دیکھ کر تو بہت خوشی کا اظہار کیا۔

کمرے میں شاہدہ بیگم اور علیم الدین پہلے داخل ہوئے۔ ان سے پیچھے بتولاں تھی اور سب سے آخر میں دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی وہ تھی۔ برا تو اس کے ساتھ عدیل نے کیا تھا لیکن سمجھ میں اسے نہیں آرہا تھا کہ وہ اس کا سامنا کیسے کرے۔

"کیسا ہے میرا بیٹا؟" علیم الدین نے بیڈ پر اس کے قریب بیٹھتے ہوئے محبت سے پوچھا تھا۔

"بس جی رہا ہوں ابا!" وہ پھیکی سی ہنسی ہنس پڑا تھا۔

"گھبراؤ نہیں' مایوس کیوں ہو؟ چند روزہ تکلیف ہے پھر تم پہلے کی طرح بھلے چنگے ہو جاؤ گے۔"

"پتہ نہیں وہ دن کب آئے گا ابا! بہت تھک گیا ہوں میں۔ اکتا گیا ہوں۔"

"میرے ساتھ رعنا بھی آگئی ہے' اب یہ تمہیں کمپنی دے گی' بور نہیں ہونے دے گی۔"

تب اس نے چہرہ موڑ کر چپ چاپ کھڑی رعنا کو دیکھا' بولا کچھ نہیں۔ بتولاں ابھی تک برتن اٹھائے کھڑی تھی' شاہدہ بیگم سے بولی۔

"اب آپ آگئے ہو' اپنے پتر کو خود کھلاؤ۔ مجھ سے تو جی یہ مانتے ہی نہیں ہیں۔"

"بری بات عدیل! ایسا نہیں کرتے۔ تم تو سمجھ دار ہو' جانتے ہو جلدی صحت یاب ہونے کے لیے خوراک لینا بھی تو ضروری ہے۔"

علیم صاحب نے سہارا دے کر اسے بٹھایا۔ دائیں بازو پر پلستر تھا اور بائیں سے کھانے میں یقیناً اسے دقت ہوتی تھی' اسی لیے شاہدہ خود کھلانے لگیں۔

"میں آپ دونوں کے لیے کمرہ دیکھ لوں۔" رعنا یہ بہانہ بنا کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

رات کا کھانا اس نے بتولاں کے ساتھ مل کر بنایا۔ مٹر گوشت کا سالن' شامی کباب اور پھلکے۔ عدیل کے لیے وہ خود کھانا لے کر آئی۔ بیڈ کے ساتھ چھوٹی ٹیبل رکھ کر اس پر ٹرے رکھی اور اپنے لیے کرسی رکھ کر بیٹھ گئی اور چھوٹے چھوٹے نوالے بنا کر اس کی طرف بڑھانے لگی۔ بہت خاموشی سے یہ مرحلہ طے ہوا۔ دوا کھلانے کے بعد وہ باہر آگئی۔ کچن میں بیٹھ کر کھانا کھایا' سامان ابھی تک کاریڈور میں رکھا تھا اور اس میں اس کا لایا ایک عدد گرم کمبل بھی تھا۔

تایا جان اور تائی جان اپنے کمرے میں تھے۔ اس نے سامان اٹھایا' الماری میں بیگ یونہی رکھ دیا اور پھر کمبل اٹھا کر صوفے کی جانب بڑھ گئی۔ عدیل نے دیکھا مگر کہا کچھ نہیں۔

"رات میں اگر میری ضرورت پڑے تو آواز دے دینا۔" وہ کہہ رہی تھی پھر اسے اپنی طرف دیکھتا پا کر کمبل اوڑھ کر صوفے پر لیٹ گئی۔ آج پھر بلیوں نے درخت پر آکر بہت شور مچایا' اب وہ ڈری تو نہیں لیکن نیند بری طرح اچاٹ ہوئی۔ عدیل بھی یقیناً جاگ رہا تھا۔

"ناشتے میں کیا لو گے؟" صبح وہ پوچھ رہی تھی۔

"جو بھی مل جائے۔" عدیل کی آواز پست تھی۔ اسے خیال آیا' وہ تو ابھی سو کر اٹھا ہے اور صبح اٹھنے کے بعد کی ضروریات سے اسے ہی فارغ کرانا ہے۔



تایا ابا اور شاہدہ بیگم نے دیکھ لیا تھا' وہ جی جان سے اپنا فرض ادا کر رہی تھی۔ ایک اونچے پورے مرد کو سنبھالنا' سہارا دے کر بٹھانا' لٹانا' ڈاکٹر کی بتائی ٹیوب سے اس کی کمر کی مالش کرنا۔ اسے خود کھانا کھلانا' یہ سب کچھ اتنا آسان تو نہیں تھا لیکن وہ اپنا فرض ادا کر رہی تھی تو دو روز بعد انہوں نے بھی واپسی کی ٹھانی۔

وہ اسے شام کی چائے پلا رہی تھی جب بتولاں نے بتایا۔

"آپ سے کوئی فرح نامی خاتون ملنے کے لیے آئی

ہیں۔"

"اوہ اچھا..... بٹھاؤ انہیں۔" اسے انہیں یاد کرنے میں ذرا بھی دیر نہیں لگی۔

"کون ہے؟" اس نے رعنا کو اتنا خوش دیکھ کر پوچھا۔

"میری ملنے والی ہیں۔"

"وہی تو نہیں جو ایک رات اپنے میاں کے ساتھ تمہیں چھوڑنے آئی تھیں۔"

"میاں نہیں' بھائی ہے وہ ان کا۔" چائے ختم ہو چکی تھی' وہ اٹھ کر باہر آ گئی۔ فرح سے تپاک سے ملی اور بتول اماں سے اچھی سی چائے لانے کا کہہ کر وہ کافی دیر فرح کے ساتھ بیٹھی رہی۔ اسے عدیل کے ساتھ ہونے والے حادثے کا پتہ چلا تو اس کے کمرے میں بھی چلی آئی۔ کچھ دیر حال احوال پوچھنے کے بعد بولی۔

"آپ تو اکیلے پڑے بور ہو جاتے ہوں گے' آئندہ شباب کو لے کر آؤں گی' وہ آپ کو کمپنی دے گا۔"

اور واقعی وہ چند دنوں کے بعد شباب کے ساتھ موجود تھی۔ رعنا کو شباب اچھا لگا تھا کہ اس کے چہرے پر شرافت کا بالکل ویسا ہی رنگ تھا جو اس نے اپنے ابا اور پھر ایاز بھائی کے چہرے پر دیکھا تھا۔



فرح تو اکثر چلی آتی اور اسے لینے کے لیے شباب اور بچوں کو آنا پڑتا کہ رعنا کے ساتھ باتوں میں لگ کر وہ واپسی کو تو بھول ہی جاتی تھی اور عدیل کا خیال تھا' یہ بہن بھائی مل کر ڈرامہ کر رہے ہیں لیکن وہ رعنا سے صاف بات بھی نہیں کر سکتا تھا۔ جانتا تھا اس کے رحم و کرم پر ہے' اگر وہ خفا ہو گئی تو بہت مہنگا پڑے گا۔

آج پھر دوپہر میں فرح آئی تھی' رعنا نے کھانے پر بھی روک لیا اور بڑا دل لگا کر سب تیار کیا۔ ابھی کھانا شروع ہی کیا تھا کہ شباب بھی پہنچ گیا اور فرح نے اسے بھی کھانے پر بٹھا لیا' حالانکہ وہ انکار کر رہا تھا لیکن جب کھانا شروع کیا تو ہاتھ روک نہ سکا۔ دونوں بہن بھائی اس کے سلیقے کی تعریف کرتے رہے۔ کھانا واقعی بہت اچھا تھا اور عدیل نے سوچا۔ "میں نے تو آج تک رعنا کے بنائے کھانے کی تعریف نہیں کی۔ حالانکہ یہ سچ ہے اس کے ہاتھ میں بہت ذائقہ ہے۔"

روشندان کے شیشوں سے اچانک بجلی کی چمک دکھائی دینے لگی پھر فضا میں بادلوں کا شور گونجنے لگا تو وہ دونوں جلدی سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ شکر ہے کہ شباب گاڑی لے کر آیا تھا' ورنہ گھر پہنچنے تک دونوں بھیگے ہوتے اور یہ سرما کی بارش نہلانے کے لیے تو ہرگز نہیں ہوتی اور اس روز بارش بھی وہ ہوئی کہ رکنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

وہ بیڈ کے قریب رکھی کرسی پر بیٹھی چائے پی رہی تھی اور ساری توجہ بارش کے شور اور شیشے سے جھلکتی بجلی کی چمک پر تھی۔ جب عدیل نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ وہ چونکی پھر دوبارہ یوں پہلے والے منظر میں محو دکھائی دینے لگی جیسے اس نے کچھ محسوس ہی نہیں کیا۔

"بیڈ پر آجاؤ۔" وہ خمار آلود لہجے میں کہہ رہا تھا۔

اس نے چپ چاپ حکم کی تعمیل کی۔

"یاد ہے جب لاہور سے یہاں آئی تھیں' جنگل کا شور تمہیں بہت پریشان کرتا تھا۔" وہ مسکراتے ہوئے یاد دلا رہا تھا۔

"اب اندر کا شور پریشان کرتا ہے۔" اس نے سپاٹ سے انداز میں کہا تھا۔

"ایک تو تمہیں باتیں بہت آتی ہیں یار!"

"ٹھیک ہو جاؤ تو کرنا کچھ اس کا بھی علاج۔" وہ کہہ کر چائے پینے لگی۔

"آج تم بہت پیاری لگ رہی ہو' بہت ہی اچھی۔"

اس نے بڑے انداز سے سراہ کر اس کا اثر رعنا کے چہرے پر تلاشنا چاہا تھا لیکن وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔

"کچھ بات بھی تو کیا کرو نا' بور ہو جاتا ہوں۔"

"موبائل تمہارے پاس ہے' یہ ٹی وی کا ریموٹ بھی رکھا ہے' جب جی چاہے استعمال کرو۔"

"میں تم سے باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

"میرے پاس تو کہنے کو کچھ نہیں اور تمہاری کسی بات کا مجھے اعتبار نہیں۔"

"ایسے مت کہو رعنا! اور سنو میں جتنا اس وقت جسمانی طور پر معذور ہوں' اس سے کہیں زیادہ ذہنی طور پر شکستہ ہوں۔ مجھے اس وقت ایک ساتھی' ایک ہمدرد کی ضرورت ہے۔"

"شمع کو فون کر لو' ویسے بھی اس شہر میں تمہاری کافی جاننے والیاں موجود ہیں۔ میں کچھ جتا نہیں رہی' خلوص سے مشورہ دے رہی ہوں۔ اگر تمہیں یہ ڈر ہے کہ پھر میں تمہاری دیکھ بھال چھوڑ دوں گی تو ایسا نہیں ہوگا کہ مجھے پتہ

ہے یہ تو چار دن کے لیے تمہیں بستر پر لیٹنا پڑ گیا ہے' اٹھو گے تو وہی دن رات ہوں گے۔"

"ایسا نہیں ہوگا۔"

"پلیز پلیز چُپ ہو جاؤ یا کوئی اور بات کرو۔" وہ ایک دم چلا کر بولی تھی۔

عدیل خاموش ہو گیا تو کہنے لگی۔ "یہ میری برداشت سے باہر ہے' مجھے تمہاری ایسی باتیں سن کر وحشت ہونے لگتی ہے کہ میں جانتی ہوں یہ جھوٹ ہے۔"

"اور میں جانتا ہوں تم میرا اعتبار کرنا ہی نہیں چاہتیں۔"

کچھ دیر کے لیے خاموشی چھا گئی جسے عدیل نے ہی توڑا اور بولا۔

"ایک بات تو بتاؤ رعنا! تمہیں مجھ میں ایسا کیا برا لگتا تھا جو شادی سے پہلے بھی مجھ سے کتراتی تھیں۔"

"چھوڑو' جو گزر گیا وہ گزر گیا۔ اب ان دنوں کی کیا بات کریں جو قسمت میں لکھا تھا ہو کر رہا۔" وہ بکھری بکھری سی لگ رہی تھی۔

بات کرتے کرتے شکست کا ایسا تاثر اس کے چہرے پر ابھرا تھا کہ فاتح شرمندہ ہو کر پھر کچھ کہہ نہیں سکا۔ وہ اٹھی اور ٹی وی آن کر دیا۔ بے مقصد سا پروگرام آ رہا تھا لیکن وہ دھیان میں گم سی تھی۔ عدیل اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کو غور سے دیکھ رہا تھا۔

"بہت دکھ ہے تمہیں؟" یہ پوچھنا اس کے لیے کچھ آسان نہیں تھا اور رعنا نے فوراً اثبات میں سر ہلا دیا۔ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"بہت سینت سینت کر رکھا تھا خود کو۔ میں تو سوچ بھی اتنی ہی پاکیزہ رکھتی تھی پھر میرے ساتھ ایسا کیوں ہوا؟ یہ ناانصافی میرے حصے میں کیوں آئی؟" وہ سسکیاں بھرنے لگی پھر اس کی جانب دیکھ کر بولی۔

"تمہیں شمع یا اس جیسی ہی ملنا چاہیے تھی' تم اسی کے قابل تھے۔"

عدیل چپ چاپ بیٹھا سنتا رہا اور وہ اٹھ کر باہر چلی گئی۔



آنے والے دنوں میں وہ بالکل خاموش ہو گیا۔ رعنا پہلے کی طرح معمول کے مطابق اس کے سارے کام نبٹاتی رہی۔

عدیل کی صحت تیزی سے ٹھیک ہو رہی تھی' اس عرصہ میں علیم صاحب بھی آئے اور رعنا کی والدہ نے بھی شاہدہ بیگم کے ساتھ چکر لگایا۔ وہ اپنی بیٹی کو ایک وفا شعار بیوی کے روپ میں دیکھ کر بہت خوش تھیں اور اس کی خاموشی اور اداسی کا مطلب عدیل کو ہی لیا تھا۔ لہٰذا تسلی دیتی رہیں۔

"وہ بہت جلد ٹھیک ہو جائے گا۔ تم خوش رہا کرو' اس کے ساتھ چھوٹی چھوٹی باتیں کرکے اس کا دل بہلایا کرو۔" ایسا ہی ایک بار عدیل کے سامنے کہا تو وہ بولی۔

"آپ پھپھو کی شمع کو ساتھ لے آتیں' عدیل کی اس کے ساتھ بہت انڈراسٹینڈنگ ہے۔"

"تو بھلا یہ کیا بات کی ہے۔ ٹھیک ہے' وہ کزن ہے لیکن یہ کوئی ایسا تعلق تو نہیں ہوتا۔"

"اچھا میں سمجھی شاید ہوتا ہے۔" وہ جسے سنا رہی تھی' وہ سمجھ رہا تھا۔

کچھ دن ٹھہر کر وہ لوگ واپس چلے گئے' رعنا اس روز عدیل کے سو جانے کے بعد کمرے میں بیٹھنے کے بجائے لمبی لمبی گھاس والے بے ترتیب لان میں آ گئی کہ دھوپ بہت اچھی تھی آج اور ایسے میں جب اس نے شباب کو آتے دیکھا تو ایک دم سے خوش ہو گئی اور اسے خود بھی اپنی اس خوشی کا احساس تک نہیں ہوا۔

"مجھے فرح آپی نے بھیجا تھا' کہہ رہی تھیں' مجھے آپ کے میاں کو کمپنی دینی چاہیے اور اگر کسی ہیلپ کی ضرورت ہو تو آپ سے پوچھنا چاہیے۔"

"نہیں نہیں' بہت شکریہ۔ یہ بتائیں چائے بنواؤں آپ کے لیے؟"

"آپ کے عدیل صاحب کے پاس چل کر بیٹھتے ہیں۔"

"وہ تو سو رہے ہیں' دو گھنٹے سے پہلے نہیں بیدار ہونے والے۔ ادھر ہی بیٹھ جائیں۔"

"شکر ہے آج دھوپ تو اچھی نکلی ہے۔"

"ارے آپ لاہور والے تو دھوپ میں خود کفیل ہوتے ہیں پھر بھی آپ کو اتنی خوشی ہو رہی ہے۔"

تب ہی بتولاں نے کچن میں عدیل کی آواز سنی' وہ رعنا کو پکار رہا تھا۔ وہ جلدی سے اس کے کمرے کی طرف بڑھی۔

"رعنا کدھر ہے' میں کب سے آوازیں دے رہا ہوں۔"

"وہ جی شباب صاحب آئے ہیں' ان کے ساتھ لان میں بیٹھی ہیں۔"

"ان کی سسٹر بھی ساتھ ہیں؟"

"نہیں جی' اکیلے ہی آئے ہیں۔ آپ کو کچھ چاہیے تھا؟" اور عدیل' شباب کی آمد کی خبر سن کر بھول گیا تھا کہ اس نے رعنا کو کیوں آواز دی تھی۔

شام کو عدیل نے چائے پینے سے انکار کردیا اور رات کو کھانا لے کر آئی' تب بھی کہہ دیا۔

"لے جاؤ' مجھے نہیں کھانا۔"

"اوکے' مگر ایک گھنٹے تک کھالینا' شام سے عجیب بے حد ٹھنڈی ہوائیں چلنا شروع ہوگئی ہیں۔ سردی بڑھ گئی ہے' بار بار کمرے سے نکلنے کو جی نہیں چاہتا۔" وہ برتن اٹھانے لگی۔

وہ ہمیشہ سے لڑکیوں کی توجہ کا عادی تھا اور اب لڑکی اور وہ بھی بیوی' اس کی یہ بے توجہی اسے اذیت میں مبتلا کررہی تھی لیکن وہ اسے کچھ بھی کہہ نہیں پارہا تھا۔



موسم بدل رہا تھا' سرما رخصت چاہ رہا تھا اور دھوپ میں تیزی آگئی تھی۔ عدیل اب ٹھیک تھا' وہ خود سے چل پھر سکتا تھا لیکن زیادہ نہیں۔ البتہ وہ آفس جانے لگا تھا۔ اس کے لیے ایک عدد ڈرائیور کا انتظام کرلیا گیا تھا۔ وہ شام کو بہت دیر سے گھر آتا تھا۔ اکثر تو چائے کا ٹائم بھی نکل چکا ہوتا تھا' صرف کھانا کھاتا' وہ بھی بے حد خاموشی کے ساتھ۔ پھر اپنی فائلیں دیکھنے اور کچھ ٹائم ٹی وی کو دینے کے بعد وہ سو جاتا۔ رعنا نے اب مصروفیات ڈھونڈلی تھیں' وہ کچن کا کام خود کرنے لگی تھی۔ نت نئے کھانے بناتی اور فرح کے ہاں دینے چلی جاتی۔

اس روز وہ فرح کے ہاں سے واپس آئی تو عدیل گھر آچکا تھا اور بتولاں اسے بتاچکی تھی کہ وہ فرح کے گھر گئی ہے۔ اس کے آنے پر عدیل نے کچھ نہیں پوچھا اور اس نے خود سے کچھ بتایا بھی نہیں۔

"صاحب! آپ سے ملنے کچھ بیبیاں تشریف لائی ہیں۔" بتولاں نے آکر اطلاع دی۔

"کون ہیں؟"

"میرا خیال ہے وہ پہلے بھی ادھر آچکی ہیں۔"

"آؤ رعنا! دیکھیں کون ہے؟" وہ یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

"بتا تو رہی ہے' تمہاری ملنے والیاں ہیں۔ میرا بھلا کیا کام؟"

"آؤ تو سہی۔" اور اسے آنا پڑا۔ واقعی بتولاں نے ٹھیک کہا تھا' یہ لڑکیاں پہلے بھی آئی تھیں جب عدیل کا ایکسیڈنٹ نہیں ہوا تھا اور یہ دونوں بہت دیر تک بیٹھی تھیں۔

والہانہ انداز میں اس کی جانب بڑھیں جبکہ وہ سپاٹ چہرے کے ساتھ اپنی جگہ پر کھڑا تھا۔

"جب بھی فون کرو' اٹھاتے ہی نہیں ہو' اسی لیے آج خود آگئے ہیں۔"

"ہاں بیٹھو' چائے بنواؤں؟"

"تو اور کیا' گھر آئے مہمانوں کو ایسے ہی ٹرخانے کا ارادہ ہے' کنجوس مکھی چوس۔" عدیل نے وہیں سے آواز دے کر بتولاں سے چائے کے لیے کہا۔

"میں لے آتی ہوں۔" وہ جانا چاہتی تھی لیکن عدیل نے ہاتھ پکڑ کر اپنے برابر بٹھالیا اور اب یہ منظر دیکھ کر آنے والیوں کے پاس کرنے کو کوئی بات ہی نہیں رہی۔ چائے آنے سے پہلے ہی وہ ایک ضروری کام یاد آجانے کا بہانہ بنا کر چلی گئیں۔

عدیل نے رعنا کی طرف دیکھا' وہ یقیناً کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن رعنا اٹھ کر کچن میں چلی گئی۔



"رعنا! موسم بدل رہا ہے' چلو مارکیٹ تک چلتے ہیں۔ تم کچھ کپڑے خرید لو اور ہم کھانا بھی باہر کھائیں گے۔" وہ خوشگوار موڈ میں پروگرام ترتیب دے رہا تھا۔

"نہیں بھئی' مجھے تمہارے ساتھ کہیں نہیں جانا۔ پتہ نہیں ان ہی اسٹور پر اپنی کس کس چہیتی کے ساتھ کتنی مرتبہ گئے ہوگے۔ سیلز مین مجھے بھی ان میں سے ہی سمجھیں گے۔" ایسے جواب کے بعد وہ خاموش ہوگیا۔

رعنا اس کی گھر آمد کے بعد جان بوجھ کر بہت مصروف ہوجایا کرتی تھی' اس کی کوشش یہی ہوتی تھی' جب وہ کمرے میں جائے تو عدیل سو رہا ہو اور آج تو اس نے بے مقصد کاموں میں بہت ہی دیر لگادی لیکن جب کمرے میں گئی تو وہ جاگ رہا تھا۔ رعنا نے اپنا تکیہ اٹھا کر بالکل بیڈ کے آخری سرے پر رکھا اور اس کی طرف سے آنکھیں بند کرکے لیٹ گئی۔

"تم مجھے معاف نہیں کرسکتیں رعنا؟" وہ اس کے

شانے پر ہاتھ رکھے کہہ رہا تھا۔
وہ جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔
"معافی؟ بڑا آسان ہے یہ کہنا مگر ان سے پوچھو جو ظلم سہہ سہہ کر اپنے وجود سے بے زار ہو چکے ہوتے ہیں، جنہیں اپنی ہستی پر ہی شرمندگی محسوس ہوتی ہے اور تب آپ کو اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے۔ یہ کہتے ہوئے میں تمہارے جسم اور تمہاری روح کو کچلنے کے بعد شرمندہ ہوں کہ مجھے معاف کردو۔ بولو ایسے ہی کیا معافی دے دینی چاہیے کیا معافی دی جاسکتی ہے۔" وہ چیخ رہی تھی۔ یوں لگتا تھا۔ بولتے بولتے وہ رونے لگی اور وہ بہت قریب بیٹھا بھی اسے چھونے اسے چپ کرانے کی کوشش نہ کرسکا۔
عدیل نے مایوسی سے سوچا تھا۔ "رعنا کیونکر مجھے معاف کرسکتی ہے۔ میں جان گیا ہوں کیا حقیقت ہے میری۔ خدا نے کچھ اس طرح مجھے سمجھایا ہے کہ رعنا! تم میرے دل کو دیکھو مارے شرمندگی کے پانی پانی ہو رہا ہے اور میں تمہارے سامنے خود کو کسی حقیر کیڑے کی طرح پاتا ہوں۔ عورت وہ نہیں جو میں سمجھا تھا، عورت وہی ہے جس کی پہچان تم نے کروانے کی کوشش کی تھی۔ مرد ہر حال میں اس کا محتاج ہے پیدائش سے لے کر موت تک وہی اس کی پرورش کرتی ہے اور کیسا بے نفس ہے اسی پر غراتا ہے۔ تم جتنا بھی دھتکارو رعنا! میں بدل نہیں ہوں گا۔"

☆ ☆ ☆

صبح بتولاں ناشتے میں اس کی مدد کروانے کے لیے آئی تو اس کے ساتھ دو بچیاں بھی تھیں، شرمائی شرمائی جھجکی سی۔
"یہ کون ہیں؟" رعنا نے دلچسپی سے پوچھا۔
"میری نواسیاں ہیں، رات میری بچی ادھر آئی ہے۔" بتولاں کے لہجے میں خوشی کی ہلکی سی رمق بھی نہیں تھی۔
"انہیں ناشتا تو کراؤ۔" عدیل کہہ رہا تھا۔
"نہیں صاحب! روٹی تو کھا کر آئی ہیں۔" لیکن جب عدیل نے انہیں ٹیبل پر آنے کو کہا تو وہ جھٹ سے آگئیں۔ بتولاں منع کرنے لگی لیکن عدیل نے روک دیا۔
رعنا اور عدیل ناشتے کے دوران ان سے باتیں بھی کرتے رہے اور انہوں نے دھیان نہیں دیا۔ بتولاں آج معمول سے کہیں زیادہ خاموش تھی۔
"چلو بھئی آج ان بچیوں کی وجہ سے تمہارا دن بھی اچھا

گزر جائے گا لیکن مانگے کی خوشیاں دو چار دن کی ہوتی ہیں۔ میرا خیال ہے ہمیں اپنا بندوبست خود کر لینا چاہیے۔" اس نے شرارت سے مسکرا کر کہا تھا' رعنا لب بھینچے بیٹھی رہی۔

اور واقعی اس کا دن اچھا گزرا۔ وہ بچیوں کے ساتھ لان میں کھیلتی رہی۔ اس موسم میں یہاں تتلیاں بہت آ گئی تھیں۔ چھوٹی لڑکی جس کی عمر چار سال تھی' ان کے پیچھے بھاگتی رہی اور رعنا اس کی بھاگ دوڑ کو انجوائے کرتی رہی۔

عدیل آج معمول سے کچھ جلدی گھر آ گیا' وہ اس وقت قیمہ بھون رہی تھی اور کٹی ہوئی موسمی سبزیاں اس کے قریب ہی رکھی تھیں۔

"جلدی سے کمرے میں آؤ۔" وہ بڑے جوش سے کہہ کر کمرے کی جانب چل دیا۔

"کیا مصیبت ہے' جلدی سے آؤ۔ فارغ کھڑی ہوں نا میں۔" بڑبڑاتی ہوئی وہ بھی بیڈ روم میں آ گئی۔

"یہ تمہارے لیے ہے' میں نے بہت شوق سے خریدا ہے۔" اس نے ایک پیکٹ اس کی جانب بڑھایا۔

"کیا ہے یہ؟" کسی جذبے کے بغیر اس نے تھام لیا۔

"کھول کر دیکھو کیسا ہے؟" پتہ نہیں وہ اتنا پرجوش کیوں ہو رہا تھا۔

رعنا نے پیکٹ کھولا۔ امبرائیڈری سے بھرا ریڈ کلر کا خوبصورت سوٹ تھا۔ ریڈ کلر جو شادی کی رات اتار پھر کبھی پہنا ہی نہیں تھا۔

"کیسا ہے؟" وہ پوچھ رہا تھا۔

"ہوں' ایسی چیزوں کی شاپنگ کا تو تمہارا خاصا تجربہ ہے نا!" اور عدیل کی مسکراہٹ معدوم ہو گئی۔ پیکٹ الماری میں رکھ کر وہ پھر کچن میں آ گئی۔

لنچ میں عدیل نے پھر بچیوں کو بلوا لیا۔

"ان کی ماں کدھر ہے ماسی! میں نے اسے نہیں دیکھا۔" رعنا نے پوچھا۔

"گھر میں پڑی ہے' دکھوں کی ماری۔" بتولاں نے آہ بھری۔

"کیا مطلب؟ کیا ہوا ہے اس کے ساتھ؟"

"بس جی کیا بتاؤں' دو بیٹیاں یہ ہیں' تیسری ابھی چند روز کی ہے۔ گھر والا کہتا ہے مجھے بیٹیاں نہیں چاہئیں' تو بے کار لائن لگائے چلی جا رہی ہے' اسی لیے تو ماں باپ کے در پر چھوڑ گیا ہے۔ بڑا ظلم کرتا ہے جی میری بچی پر۔ گھر بسانے کے لیے سب سہتی رہی ہے لیکن ظالم نے چھت بھی چھین لی ہے۔"

بتولاں سسکنے لگی۔

"کدھر ہوتا ہے وہ؟" عدیل نے پوچھا۔

"تھوڑی دور گاؤں ہے جی اس کا۔"

"میں ڈرائیور سے کہتا ہوں گاڑی نکالے۔ تم اللہ بخش کو ساتھ کر دو۔ اسے کہو اپنے داماد کو لے کر آئے۔"

موسم خاصا بدل گیا تھا' اسی لیے طبیعت میں سستی ہو رہی تھی' لنچ کے بعد وہ لیٹی اور سو گئی چونکہ دن میں سونے کی عادت نہیں تھی۔ سو ایک گھنٹے بعد آنکھ کھل گئی۔ وہ لیٹی نہیں' اٹھ کر کاریڈور میں آ گئی اور تب ہی اس نے عدیل کی آواز سنی۔

"شریف باکردار بیوی نعمت ہوتی ہے اور سچ تو یہ ہے کہ عورت تو باکردار ہی ہوا کرتی ہے۔ اسے ورغلانے والا مرد ہے۔ اس کی ہوس عورت کو کچھ سے کچھ بنا دیتی ہے۔ قدر کرو اپنی بیوی کی' یہ بیٹیاں آزمائش نہیں' انعام ہیں۔ ان کی حفاظت کرنا' ان سے محبت کرنا اور ان کی عزت کرنا تمہارا فرض ہے ولی محمد! مردانگی کے غرور میں تم جو کچھ کر رہے ہو' کیا یہ کسی مرد کو زیب دیتا ہے؟"

اس نے دیکھا' ولی محمد (بتولاں کا داماد) اس کے سامنے سر جھکائے کھڑا تھا۔ وہ اچھے کپڑوں میں ملبوس تھا اور کچھ پڑھا لکھا بھی لگتا تھا۔

"یقین کرو میری بات کا' جب ایک شریف عورت تمہاری زندگی میں نہیں رہے گی تو کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔ منا کر لے جاؤ اپنی بیوی کو اور پھر کبھی اسے ناراض مت کرنا۔"

"جی صاحب! ٹھیک ہے صاحب!" ولی محمد نے کہا تھا اور رعنا واپس کمرے میں پلٹ آئی۔

کچھ دیر بعد عدیل کمرے میں آیا اور ٹھٹک گیا۔ وہ اس کا لایا ہوا ریڈ سوٹ پہنے آئینے کے سامنے کھڑی بہت دنوں بعد لپ اسٹک لگا رہی تھی۔ اسے دیکھا تو مسکرائی اور بولی۔

"آج ہم رات کا کھانا باہر کھائیں گے اور مجھے کچھ شاپنگ بھی کرنا ہے۔"

مارے حیرت کے وہ کچھ بول نہیں سکا مگر اسے پوچھنا تو تھا کیا' کیوں پلٹ گئی کہ نہیں جانتا تھا عورت کا دل پتھر کا نہیں' موم کا ہے۔ مرد کا کردار اس کی محبت' اس کی وفاداری' اسے کسی بھی وقت' کسی بھی روپ میں ڈھال دیتی ہے' جیسے عدیل کے بدلتے خیال نے اسے بھی بدل دیا تھا۔ پہلے صرف وجود اس کا تھا' اب دل اور روح بھی عدیل کی ہو گئی تھی۔